تین مبغوض اشخاص

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَبْغَضُ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ ثَلٰثَۃٌ مُلْحِدٌ فِی الْحَرَمِ وَمُبْتَغٍ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ بِغَیْرِ حَقٍّ لِیُھْرِیْقَ دَمَہٗ۔ [رواہ البخاری]

''ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ کے نزدیک تین آدمی سب سے زیادہ قابل نفرت ہیں:

① ......حرم مکہ میں بے دینی کرنے والا۔ اور

② ......اسلام میں کفر کی راہیں تلاش کرنے والا۔ اور

③ ......مومن کا ناحق خون کرنے والا۔''

دین کے بنیادی اصول ⑰

دوسری روایت کے مطابق نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں نے نور دیکھا ہے۔'' [صحیح مسلم: ۱۷۸، ۲۹۲]

یہ دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے صرف نور دیکھا تھا۔

نبی ﷺ نے یہ بھی بتایا:

''اللہ تعالیٰ کا حجاب نور ہے، اگر اسے کھول دے تو اللہ تعالیٰ کی نظر جہاں تک اپنی مخلوق پر پہنچتی ہے وہاں تک اس کے چہرے کی چمک ہر چیز جلا دے۔'' [صحیح مسلم: ۱۷۹]

ایک جگہ یہ الفاظ ہیں:

''نبی ﷺ نے اپنے رب کو دل سے دیکھا تھا۔'' [صحیح مسلم: ۱۷٦]

یعنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، یہی تفسیر ابن عباس والی روایت کی ہو سکتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مطلق روایات منقول ہیں جب کہ دوسری روایات مقید ہیں، اس طرح مطلق روایات کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ پھر فرماتے ہیں: اس طرح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اثبات اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی نفی کو آپس میں جمع کیا جا سکتا ہے، یعنی نفی کو آنکھوں سے نہ دیکھنے پر اور ابن عباس کے اثبات کو دل سے دیکھنے پر محمول کیا جائے۔'' [فتح الباری، ۸/ ٤٧٤]

مزید ایک دلیل: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس سے منع فرمایا تھا، جب موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

﴿ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ﴾

''اے میرے رب! مجھے دکھا میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھنے کا مطالبہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا:

﴿ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَکًّا ﴾ [سورہ اعراف: ۱٤۳]

''تو مجھے ہر گز نہیں دیکھ سکتا، لیکن تو اس پہاڑ کو دیکھ اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو ممکن ہے تو مجھے دیکھ سکے، جب اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ پر تجلی کی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔''

نبی ﷺ کا دیکھنا آنکھوں سے نہیں بلکہ دلی مکاشفات سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے کہ اس دنیا میں انسان کمزور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کے سامنے ثابت رہ سکے۔ البتہ آخرت میں اللہ تعالیٰ جنتیوں کو اتنی قوت عطا کر دیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکیں اور اس کے باوجود ثابت رہیں، کیوں کہ جنت میں لوگوں کی پیدائش دنیا جیسی نہ ہوگی۔

فہرست

فرق

اداریہ

حافظ احمد شاکر

سبحان اللہ، اسلام کیسا فطری اور ابدی دین ہے کہ اس کی ہدایات واحکامات کو اگر حرزِ جاں بنالیا جائے تو دنیا بھی آسان اور آخرت بھی بہترین۔

اسلام نے معاشرتی نظام چلانے یعنی حکومت کرنے کو خلق خدا کی ایک ذمہ داری قرار دیا ہے۔یعنی عوام......ملک کے ہرشہری......کی ضروریات جن میں امن، خوراک اور علاج بنیادی چیزیں ہیں، کو پورا کرنا تو حکومت ہی کا کام ہے۔خوراک وعلاج کے لیے روزگار مہیا کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے اگر حکومت روزگار میسر نہ کرسکے تو ہرشہری کے لیے خوراک وعلاج مہیا کرنا بھی حکومت ہی کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض تو ہے لیکن کونسا علم؟ فرض علم اس قدر دینی علم ہے جس سے ہر مسلمان کو حقوق اللہ، حقوق العباد، حرام، حلال وغیرہ کا علم ہوجائے۔ دینی تعلیمات میں دیگر علوم کی ترغیب بھی ہے اور فضیلت بھی بیان کی گئی ہے لیکن جو علم فرض ہے وہ اتنا دینی علم ہے جس کی ضرورت ہر مسلمان کو تادم واپسیں رہتی ہے۔

سورۃ احزاب میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جس امانت کے اٹھانے سے زمین، آسمان اور پہاڑوں کے انکار کا ذکر فرمایا ہے وہ یہی یعنی خلق خدا کی خدمت کی ذمہ داری ہے۔زمین، آسمان اور پہاڑ تو اس سے ڈر گئے لیکن انسان نے یہ بوجھ اٹھالیا۔ساتھ ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کے ظلم وجہل کا ذکر بھی فرمادیا۔

سمجھ یہ آتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور کتب سماویہ کے نزول کا اہتمام انسان کے اسی ظلم وجہل کو دور کرنے کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا۔خلقت انسانی کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے علم ومشیت کے مطابق انسان کی اصلاح وہدایت تدریجاً فرماتا رہا۔تا آں کہ نبی آخرالزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بنا کر اور قرآنِ مجید کو آخری کتاب فرما کر اسلام کو انسانیت کے لیے قیامت تک دین کامل قرار دے دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ رؤف الرحیم اور رحمۃ للعالمین کی صفاتِ مبارکہ سے متصف بھی تھے اور آپ نے انسانوں خصوصاً مسلمانوں کو ایسی تعلیمات سے نوازا اور ایسی ہدایات ارشاد فرمائیں کہ انسان صرف حقوق اللہ وحقوق العباد کی ذمہ داری نبھالے تو یہی کافی ہے مزید کوئی اضافی ذمہ داری وہ خود طلب نہ کرے اور اگر من جانب اللہ کوئی ذمہ داری اس کے نصیب میں لکھی جاچکی ہو وہ اس کا ذمہ دار بنادیا جائے تو پھر اس کا حق اس طرح ادا کرنے کی کوشش کرے جس طرح اللہ تعالیٰ کے احکامات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس کی راہ نمائی کریں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نصرت اس کے لیے یقینی ہوجاتی ہے۔اور ساتھ ہی ایسی احادیث مبارکہ بھی موجود ہیں جس میں آپ نے مسلمانوں کو کسی بھی حکومتی عہدہ، منصب اور ذمہ داری طلب کرنے سے منع فرمایا ہے بلکہ عہدہ منصب اور ذمہ داری طلب کرنے پر اس کو نہ دیئے جانے کے احکامات بھی واضح ہیں۔

جب کہ ہمارے ہاں رائج جمہوریت ہی یہی ہے کہ اپنے مال ومنال اور آل وعیال یعنی برادری اور تعلقات کے مطابق عوام کو بزبان خود اپنی ''بے لوث خدمات'' بذریعہ اسمبلیاں پیش کرے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس میں ذاتی الاؤنسز اور مراعات مفادات کے علاوہ عوام کے نام پر فنڈز بھی اینٹھنے اور گرانٹیں بھی ڈکارنی ہوتی ہیں۔ ہر امیدوار بزبان خود وعدے بھی کرتا بلکہ بڑھ چڑھ کر کرتا ہے۔اس عمل میں کم وبیش دینی وغیر دینی امیدواروں کا امتیاز نہیں کیا جاسکتا۔اپنے اس وطیرے پر کم ازکم دینی جماعتوں کو ضرور سوچنا چاہیے کہ آیا اس دین کے نکتہ نظر سے جس کے نام پر وہ جماعتیں بناتے اور خود کو متعارف کراتے ہیں، ان کا یہ عمل شریعت کی رو سے صحیح ہے؟

جمہوریت اکثریت رائے کا نام ہے لیکن مغربی جمہوریت میں فیصلے کی بنیاد صرف اکثریت ہوتی ہے۔ جب کہ اسلام میں جمہوریت کی قوت صرف اکثریت سے نہیں ہوتی بلکہ اہلیت سے ہوتی اور اہلیت کی بنیاد اور اوّلیں خوبی تقویٰ ہوتا ہے۔تقویٰ سے مراد کیا لیا جائے گا؟ اس کی تفصیل پاکستان کے قانون میں موجود ہے۔قانون کی یہ وہی شق ہے جس کو نافذ تو کجا اس کا ذکر کرنے سے تمام اسلامی وغیر اسلامی سیاسی جماعتیں گریزاں رہتی ہیں۔کیوں؟ اس لیے کہ جس طرح آج کل کی کاروباری اکثریت جھوٹ کے بغیر کاروبار کا تصور ہی نہیں کرتی اسی طرح آج کل کے......تمام یا......اکثریت اراکین سینٹ وقومی وصوبائی کا عملی تاثر یہ ہوتا ہے کہ اگر اس شق کو شرط بنالیا جائے تو پھر......دور حاضر کی......سیاست ممکن ہی نہیں۔اگر سیاسی جماعتوں کی حکمت عملیاں، سیاست دانوں کی

قلابازیاں یعنی......اقتدار کا......دانہ دیکھ کرمنڈیریں بدلنا اورحکم رانوں کی عمداً وعدہ خلافیاں سامنے رکھی جائیں تو واقعی قانون کی یہ شق لاگو ہونے سے شاید سارے ہی قانون ساز ادارے......ایوان بالا وایوان زیریں......خالی ہو جائیں۔اس لیے خالصتاً سیاسی جماعتیں تو جو کرتی ہیں وہ کرتی رہیں لیکن حیرانگی ہے کہ مذہبی جماعتیں بھی انتخابی سیاست کے اس غلیظ جوہڑ میں برضا ورغبت کود جاتی ہیں اور انہیں کوئی افسوس تو کجا تامل تک نہیں ہوتا۔

....

وطن عزیز میں شروع دن سے اقتدار ہمیشہ جاگیرداروں کی جاگیر رہا یہاں تک کہ کسی غیر جاگیردار یعنی تاجر، سویلین یا غیر سویلین فرد نے بھی اگر کارزار سیاست میں داخل ہونا چاہا تو اس نے جاگیر بنائی، بینک قرضہ جات حاصل کیے اور سویلین وغیر سویلین بیوروکریٹس سے تعلقات بڑھائے حتیٰ کہ انہوں نے ذات برادری سے قطع نظر عہدہ ودولت کو برادری بناتے ہوئے رشتہ داریاں بنانے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔آپ دیکھ لیں جتنے چوہدری ومیاں حضرات، نواب خاندان اور پیر خانوادے سب کے سب جاگیردار اور جاگیردارانہ مزاج کے حامل ہوتے ہیں۔ پھر ان میں کئی خاندان اتنے دانا ہوتے ہیں کہ ان کے بھائیوں، دامادوں، بھتیجوں اور بھانجوں نے ایک ایک پارٹی سنبھالی ہوتی ہے کہ اقتدار چاہے کسی جماعت کو ملے ان کا خون تزئین گلستان میں شامل ہوتا رہے۔ پھر نشہ اقتدار ایسا ہوتا ہے کہ اسے کوئی ترشی اتار بھی نہیں سکتی۔

پارٹیوں میں پہلے یہ اقرباء پروری ذرا جھجک سے کی جاتی تھی اب یہ کھلم کھلا اس لیے کی جاتی ہے کہ اقتدار ہمارے خاندان ہی کی باندی رہے۔ چناں چہ ان حکم رانوں کی اولاد آنکھ کھولتے ہی کرسی اقتدار کو اپنی ممنوعہ اور عوام کو اپنی رعایا جاننے لگتے ہیں۔اب جب کہ ۱۸ویں ترمیم کی طفیل یہ لیڈر نہ صرف اپنی سیاسی جماعتوں میں انتخابات کے پابند نہیں رہے بلکہ ہر جماعت کا سربراہ چشم زدن میں جماعت کے جس رکن کو جب چاہے چلتا کرے۔یہ حق ۱۸ویں ترمیم نے ان کو دے دیا ہے۔حکم ران اپنی اولاد کو حکم رانی اور اقتدار کی گھٹی دیتے ہیں اس لیے ہوش سنبھالتے ہی ان کی اولاد ایوان ہائے حکومت کے صنم خانوں کو ہی خیالات میں سجا لیتے ہیں۔اس طویل کلامی سے عرض کرنا یہ مقصود تھا کہ جمہوریت یعنی کثرت رائے کی اسلام میں بے شک اہمیت ہے لیکن اسی قرآن وحدیث کے احکامات کے مطابق جس......قرآن وسنت......کو آئین میں وطن عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان کا سپریم لا تسلیم کیا گیا ہے، جس کے مطابق اس اکثریت کی رائے فیصلہ کن ہوگی جو کبیرہ گناہوں سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہوں۔ہم جیسے عوام کالانعام دیکھتے ہیں کہ سیاست دان خصوصاً دین کے نام لیوا لیڈر اب کہاں کھڑے ہیں اور ان کی سیاست اب کیا گل کترتی ہے؟ کہ اسلامی ومغربی جمہوریت میں یہی فرق ہے۔ آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

احسان:

منصفانہ تجزیہ کرتے ہوئے گزشتہ بیس سال کی معاشرتی خرابیوں کی جڑ اگر تلاش کی جائے تو اس میں ''رات جاگنا اور دن کو سونا'' ہی بنیادی خرابی نظر آتی ہے۔فیشن کے نام پر یہ میٹھا زہر ہماری رگوں میں بڑی منصوبہ بندی اور تاجرانہ عیاری کے ساتھ داخل کیا گیا ہے۔منصوبہ بندی سے مراد دنیا پر گرفت کے لیے یہود کے ۳۰ راصولوں میں سے ایک اصول فحاشی پھیلانا تھا، بھارتی فلموں کی وسیع درآمد، کیبل کی ترویج اور ٹی وی چینلز کی بہتات یہ سب یہود کے فحش پھیلانے کے منصوبے کا حصہ ہیں جس کے لیے راتیں ہی کارآمد ہوتی ہیں اور حرص مال کی یہ بہیمانہ ہوس ہے کہ فحش کے پھیلاؤ اور اخلاقی انحطاط سے بے نیاز ہو کر پاکستان کا مسلمان سرمایہ کار بھی اکیسویں صدی کی نسل تباہ کرنے میں یہود کا آلہ کار بن چکا ہے۔دن کو سونے کے بعد مارکیٹیں اور بازار دوپہر کو کھلنے لگے اور ان میں دن ڈھلے خریداریاں شروع ہونے لگیں۔رات ڈھلنے کے ساتھ مارکیٹوں کی رونق بڑھنے لگی اور سحری کے قریب رات کا کھانا اور صبح بارہ بجے ناشتے ہونے لگے۔ چناں چہ بیس سال میں معاشرہ بالکل کایا کلپ ہو گیا۔

لوڈشیڈنگ کے حوالے سے جب حکومت نے مارکیٹیں رات ۸ بجے بند کرنے کے احکامات جاری کیے تو اگلے وقتوں کے لوگوں نے سکھ کا سانس لیا اور مطمئن ہونے لگے کہ شاید انسان کی فطری معاشرت لوٹ آئے۔لیکن افسوس کہ برگر فیملی یعنی نئی نسل کے دکاندار اس کو برداشت ہی نہیں کر پا رہے۔خادم پنجاب کو چاہیے کہ اس فیصلے کو بدلنے کی بجائے دانائی، تدبر، تحمل، برداشت اور اچھی حکمت عملی......جس میں عوام کی ذہنی بریفنگ بھی ہے......سے تاجر اور عوام الناس کو اس کا عادی بنائیں بیسویں صدی کی نسل پر خادم پنجاب کا یہ بہت بڑا احسان ہوگا۔

درسِ قرآن

سورة البقرة (15)

...... اردو ترجمہ ......
حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ
م: ۱۲۳۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
''شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔''

...... حواشی ......
① ...... احادیث التفاسیر
مولانا حافظ حمید اللہ میرٹھی رحمہ اللہ ـ م: ۱۳۳۰ھ
② ...... احسن الفوائد
مولانا سید احمد حسن صاحب دہلوی رحمہ اللہ ـ م: ۱۳۳۸ھ

﴿ وَ مَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَ لَقَدِ
اصْطَفَيْنٰهُ فِی الدُّنْيَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (۱۳۰)
اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱۳۱) وَ
وَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى
لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۱۳۲) اَمْ كُنْتُمْ
شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا
تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ
اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّ نَحْنُ لَهٗ
مُسْلِمُوْنَ (۱۳۳) تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ
مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۳۴) وَ قَالُوْا
كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ
حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۳۵) قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ
مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ
وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَاۤ
اُوْتِیَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ ز وَ
نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۱۳۶) فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ
اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ
اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (۱۳۷) صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ اَحْسَنُ
مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ز وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (۱۳۸) قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی
اللّٰهِ وَ هُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ وَلَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَ
نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ (۱۳۹) اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ
اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ
نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ
شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۱۴۰)

''اور کون ابراہیم کا دین پسند نہ رکھے؟ مگر جو اپنے جی سے بیوقوف ہو اور ہم نے اس کو دنیا میں خاص کیا اور وہ آخرت میں نیک (لوگوں میں سے) ہے۔ (۱) جب اس کے ربّ نے اس کو کہا حکم بردار ہو، (ابراہیم) بولا میں جہاں کے صاحب کے حکم میں آیا۔ ابراہیم اور یعقوب اپنے بیٹوں کو یہی وصیت کر گئے (کہ) اے بیٹو اللہ نے تم کو چن کر دین دیا ہے پھر (تم) نہ مرنا مگر مسلمانی پر۔ کیا جس وقت یعقوب کو موت پہنچی تم حاضر تھے؟ جب (اس نے) اپنے بیٹوں کو کہا تم میرے بعد کیا پوجو گے؟ بولے ہم تیرے اور تیرے باپ دادوں ابراہیم، اسماعیل اور اسحٰق کے ربّ کی بندگی کریں گے وہی ایک ربّ (ہے) اور ہم اسی کے حکم پر ہیں۔ ❶ وہ ایک جماعت تھی (جو) گزر گئی جو کما گئے ان کا ہے اور جو تم کماؤ تمہارا ہے اور تم سے ان کے کام کی پوچھ (گچھ) نہیں (ہوگی)۔ ❷ (۲) اور (وہ) کہتے ہیں یہود یا نصاریٰ ہو جاؤ تو راہ پر آؤ (گے) تو کہہ ہم نے ابراہیم کی راہ پکڑی جو ایک طرف کا تھا اور شریک (کرنے) والوں میں نہ تھا۔ ❸ (۳) تم کہو ہم نے اللہ پر یقین کیا اور جو ہم پر اترا اور جو ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور اس کی اولاد پر اترا، اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو ملا اور جو سب نبیوں کو اپنے ربّ سے ملا ہم ان سب میں سے ایک (میں بھی) فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے حکم پر ہیں۔ پھر اگر وہ بھی یقین لائیں جس طرح تم یقین لائے ہو تو راہ پائیں (گے) اور اگر پھر جائیں تو اب وہی ضد پر ہیں سو اب تیری طرف سے ان کو اللہ کافی ہے اور وہی سنتا جانتا ہے۔ ❹ (۴) ہم نے اللہ کا رنگ لیا اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہے اور ہم اسی کی بندگی پر ہیں۔ ❺ (۵) کہہ کیا تم اب ہم سے اللہ (کے بارے) میں جھگڑتے ہو اور وہی ہمارا اور تمہارا ربّ ہے اور ہم کو ہمارا اور تم کو تمہارا عمل (کام آئے گا) اور ہم نرے (صرف) اسی کے ہیں۔ کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور اس کی اولاد یہود یا نصاریٰ تھے؟ کہہ تم کو

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۴۱)

زیادہ خبر ہے یا اللہ کو اور اس سے (زیادہ) ظالم کون ہے جس نے اللہ کے پاس جو گواہی (پیش کرنی) تھی چھپائی (۶) اور اللہ تمہارے کام سے بے خبر نہیں۔ وہ ایک جماعت تھی گزر گئی جو کمائی ان کا ہوا اور جو تم کماؤ تمہارا ہے اور تم سے ان کے کام کی پوچھ (کچھ) نہیں (ہوگی۔)''

احسن الفوائد

❶: یہودی لوگ اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے اور کہتے کہ ہمارا دین موسوی ملت ابراہیم کے موافق ہے، مگر چوں کہ اُن کے اعمال وافعال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے موافق نہ تھے لہٰذا اُن کے ردّ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ ظاہری نسبت سے کام نہیں چلتا جب تک نسبت دینے والے (یہودی) کا عمل منسوب الیہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے موافق نہ ہو۔

اِس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ اپنے آپ کو ظاہری رشتہ کے سبب سے کسی عمدہ خاندان کا بتلاتے ہیں اور اعمال وافعال اُس خاندان کے مرتبہ اور مناسبت سے بجا نہیں لاتے تو محض یہ ظاہری نسبت خاندانی کسی کام کی نہیں۔

❷: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ترمذی وغیرہ میں معتبر سند سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''چار باتوں کی جوابدہی کے لیے ہر ایک شخص کو قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے روبرو ضرور کھڑا ہونا پڑے گا۔
ایک: دنیا میں نیک عمل کیا کیا۔
دوسرا: عمر کن کن کاموں میں صرف کی۔
تیسرا: جوانی میں کیا کیا۔
چوتھا: روپیہ پیسہ کس کس طریقہ سے کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا۔''

❸: یہود اپنے دین کو راہِ راست بتلا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو کہتے تھے کہ ہمارے دین کو اختیار کرلو کہ دنیا میں نجات کا طریقہ ہے تو یہی ہے، اسی طرح نصاریٰ بھی کہتے تھے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا ان کو جواب دو کہ ہم تو ملت ابراہیمی ہی کے پیرو ہیں جس میں کسی طرح کے شرک کا لگاؤ نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تم دونوں فرقوں نے اپنے دین کو بگاڑ کر شرکیہ دین بنا رکھا ہے، اس لیے تمہارا دین ابراہیمی ملت نہیں ہوسکتا۔ ملت ابراہیمی تو حنفی ہے جس کے معنی شرک کو چھوڑ کر توحید اور خالص اطاعت الٰہی کی طرف رجوع کرنے کے ہیں۔

❹: اُوپر ملت ابراہیمی کا ذکر فرما کر اس آیت میں مسلمانوں کو یہ سمجھایا کہ اگر تمہاری طرح اہل کتاب بھی راہِ راست پر آن کر سب کتب آسمانی اور انبیاء پر ایمان لائیں اور ملت ابراہیمی کے پورے پابند ہو جائیں تو جان لینا کہ انہوں نے ہدایت الٰہی کا راستہ پالیا۔

اگر ایسا نہ ہو تو اُن کی ہٹ دھرمی ہے، اور اس ہٹ دھرمی کے سبب وہ تم سے مخالفت کریں تو تم لوگ کچھ خوف نہ کرو تمہاری مدد کے لیے اللہ کافی ہے، اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ آخر کار ان اہل کتاب میں سے کچھ تو قتل کیے گئے اور کچھ جلاوطن ہوئے اور بعضوں کو جزیہ دینا پڑا۔

❺: نصاریٰ کے ہاں دستور یہ تھا کہ جس کو اپنے دین میں داخل کرتے ایک زرد رنگ بناتے اور اُس کے کپڑے بھی رنگ دیتے اور اُس پر بھی ڈال دیتے، یہ اُن کے مقابل فرمایا۔

احادیث التفاسیر

(ف:۱) عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا زاد دو بھائی سلمہ اور مہاجر کو کہا کہ تم خوب جانتے ہو کہ توریت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''میں اسمٰعیل کی اولاد میں ایک نبی پیدا کروں گا جس کا نام احمد

ہوگا جو شخص اُس پر ایمان لائے گا وہ ہدایت پر ہوگا اور مراد کو پہنچے گا اور جو منکر ہوگا اُس پر لعنت ہوگی۔''

اس بات کو سن کر سلمہ ایمان لایا اور مہاجر نے نہ مانا۔ اِس پر یہ آیت کریمہ ﴿ ومن یرغب عن ملة ابراھیم ...... ﴾ نازل ہوئی۔

(ف:٢) یہودی لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہ وصیت کی تھی کہ تم یہودی رہنا۔ اس کے ردّ میں اللہ پاک نے ﴿ ووصی بھا ابراھیم بنیه ویعقوب ...... ﴾ نازل فرمائی۔ ''یعنی ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے تو یہ وصیت اور تاکید کی تھی کہ مسلمان رہنا اور مسلمان ہی مرنا۔''

دوسرے یہ کہ یہودیت یا نصرانیت کا اُن کے زمانے میں کوئی نام بھی نہیں جانتا تھا پھر انہوں نے اس کی وصیت کہاں سے کر دی۔ کیوں کہ یہ نام توریت وانجیل کے اترنے کے بعد معروف ہوئے ہیں۔ چناں چہ توریت وانجیل تو اُس وقت تک اتری ہی نہیں تھیں، جیسا کہ سورۃ آلِ عمران میں ہے:

﴿ وما انزلت التوراة والانجیل الا من بعدہ ﴾

(ف٣): ابن صوریا یہودی نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ہدایت والا مذہب یہی ہے جس پر ہم لوگ ہیں اگر تم ہدایت کا راستہ چاہتے ہو تو ہمارے مذہب کو اختیار کرو، اور نصاریٰ نے کہا کہ ہمارا مذہب حق ہے اس کی پیروی کرو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

﴿ وقالوا کونوا ھودا او نصرٰی ...... ﴾

(ف٤): ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اہل کتاب توریت کو عبرانی میں پڑھتے اور عربی میں اُس کا ترجمہ کر کے مسلمانوں کو سمجھاتے تو پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا:

((لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم وقولوا اٰمنا بالله وما انزل الینا۔)) الخ

''یعنی اہل کتاب کی بات کو نہ سچا کہو نہ جھوٹا بتاؤ۔ کیوں کہ ان کا کچھ اعتبار نہیں اور ان کی کتاب میں شبہ ہے بلکہ ان کا بیان سن کر یوں کہا کرو:

امنا بالله واما انزل الینا۔'' الخ

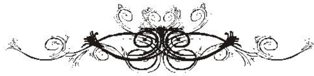
(ف٥): نصاریٰ اپنی اولاد کو یا جس کسی کو نصرانی کرتے اُس کو ایک زرد رنگت والے پانی میں غوطہ دیتے اور کہتے کہ اس سے آدمی پاک ہوتا ہے، اس کام پر فخر اور بڑائی کرتے کہ ہمارے مذہب میں رنگت ہے اور ان مسلمانوں کو یہ رنگت نصیب نہیں۔

اس پر اللہ پاک نے فرمایا کہ اُن سے کہہ دو کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی حکم برداری کی ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی رنگت نہیں۔

(ف٦): توریت میں لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے اور ابراہیم علیہ السلام وغیرہ نبی یہودی یا نصرانی نہیں تھے۔ اب اللہ پاک نے قرآنِ مجید میں یہ خبر اُتاری:

﴿ ما کان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما ﴾

مگر یہود ونصاریٰ نے اس بیان کو چھپا رکھا اور ظاہر نہیں کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اُس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی گواہی چھپائی جو اس کے پاس تھی۔



مولانا محمد علی صدیقی کا سانحہ ارتحال

صوبہ سندھ کے نامور خطیب مولانا محمد علی صدیقی (مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث حیدرآباد کے سابق استاذ) ٢٩/اپریل ٢٠١٠ء بروز جمعرات بعد نمازِ عصر ایک کار حادثے میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون...... موصوف بہت اچھے خطیب، استاذ اور عربی کتب کے مترجم تھے۔ اس وقت انہوں نے مولانا امین اللہ پشاوری صاحب کی کتاب ''الفوائد'' کا اردو ترجمہ کیا۔ مرحوم کی نماز جنازہ مولانا محمد حسین بلتستانی نے پڑھائی۔ کثیر تعداد میں علمائے کرام مولانا عبداللہ ناصر رحمانی سمیت شریک جنازہ ہوئے۔ قارئین الاعتصام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ [افتخار احمد السّلفی، مہتمم الجامعہ بحر العلوم السّلفیہ، میرپور خاص سندھ]

درسِ حدیث

توفیــق البـــــاری

" الادب المفرد " للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ

تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکرول شالامار باغ۔لاہور)

باب: التؤدة في الأمور

سنجیدگی اور وقار اختیار کرنے کے بیان میں

٥٩٧۔ عن أشجّ عبدِ القيس قال: قال النَّبيُّ ﷺ: ((إنّ فيكَ لَخُلُقَين يُحِبُّهما اللّٰهُ)) قلتُ: وما هُما يا رسولَ اللّٰهِ؟ قال: ((الحِلْمُ والحيَاءُ)) قلتُ: قديمًا كانَ أو حديثًا؟ قَالَ: ((قَدِيمًا)) قلتُ: الحمدُ للّٰهِ الذى جَبَلَنِى عَلٰى خُلُقَيْنِ أحبَّهما اللّٰهُ ۔

[صحيح]

''اشج عبدالقیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیرے اندر دو عادتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔میں نے عرض کیا وہ کون سی دو چیزیں ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بردباری اور حیا میں نے عرض کی یہ دو عادتیں پہلے سے موجود یا نئی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے سے موجود ہیں۔میں نے کہا سب تعریفیں اللہ کے لیے جس نے میرے اندر دو ایسی عادتیں پیدا کیں جنہیں اللہ پسند کرتا ہے۔''

٥٩٨۔ عن قتادةَ قال: حدَّثنا مَنْ لقِيَ الوَفْدَ الذين قدِمُوا على النَّبيّ ﷺ من عبد القيس ...... وذكر قتادةُ أبا نضرة ...... عن أبي سعيد الخدريّ قالَ: قالَ النَّبيُّ ﷺ لأشجّ عبد القيس: ((إنَّ فيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يَحِبُّهُمَا اللّٰهُ: الحِلْمُ والأنَاةُ)) [صحيح مسلم]

''حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہمیں ان لوگوں نے بیان کیا جو قبیلہ عبدالقیس کے وفد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بطور وفد آئے تھے اور قتادہ نے یہ بھی کہا مجھے ابونضرہ نے حضرت سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے اشج عبدالقیس رضی اللہ عنہ کو فرمایا تیرے اندر دو عادتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے: بردباری اور وقار''

فائدہ: پہلی حدیث میں حیا تھا اس جگہ اناءت ہے۔حلم سے مراد تحمل اذیٰ ہے اور حیا شرم کو کہتے ہیں اور اناءت دیر کرنے کو۔یہ خصال نبوی محبوب حضرت ذوالجلال ہیں۔وللہ الحمد [نواب صاحب رحمہ اللہ]

٥٩٩۔ عن ابن عبّاس قال: قال النَّبيُّ ﷺ للأشج ...... أشج عبد القَيْس: ((إنَّ فيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يَحِبُّهُمَا اللّٰهُ: الحِلْمُ والأنَاةُ))

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اشج عبدالقیس سے فرمایا تیرے اندر دو عادتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے: بردباری اور وقار۔''

٦٠٠۔ عن عبد اللہ بن سعدٍ، سمعَ جدَّهُ مَزْيَدَةَ العَبْدِى قال: جاءَ الأشجُّ يمشِى حتّى أخذَ بيد النَّبيّ فقبَّلَهاء فقال له النَّبيُّ ﷺ: ((أمَا إنّ فِيُكَ لَخُلُقَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ ورسولُهُ)) قال: جَبُلًا جُبِلْتُ عليهِ، أو خُلِقًا معِى؟ قال: ((لَا بَلْ جَبُلًا جُبِلْتَ عليهِ)) قالَ: الحمدُ للّٰهِ الَّذى جَبَلَنِىُ عَلٰى مَا يُحِبُّ

اللّٰهُ ورسولُهُ)) [ضعيف الاسناد]

''حضرت مزیدہ العبدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں حضرت اشج پیدل چل کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے۔ آپ کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر بوسہ دیا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: بے شک تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں۔ حضرت اشج نے عرض کیا کیا یہ عادتیں فطری ہیں جن پر میں پیدا ہوا ہوں یا یہ مرے اندر بعد میں پیدا کیا گیا ہے۔ تو اشج رضی اللہ عنہ نے کہا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھ میں ایسی خصلتیں پیدا فرمائیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ پسند فرماتے ہیں۔''

فائدہ: خلق خصلت ایک چیز ہے۔ مراد خلق سے عادت ہے اس جگہ ذکر اس عادت کا نہیں کیا مراد وہی حلم و اناءت ہے لیکن ان خصال کو اشج میں جبلی بتایا اور اللہ اور رسول دونوں کا دوست رکھنا ان دونوں خلق کو جتایا اشج نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا معلوم ہوا کہ جس کی جبلت کسی خلق حسن اور خصلت مستحسن پر ہو اس کو اللہ تعالیٰ کا احسان مند شکر گزار ہونا چاہیے۔ [نواب صاحب]

باب: البغي

سرکشی کے بیان میں

٦٠١۔ عن ابن عبّاسٍ قالَ: لو أنّ جبلاً بغَىٰ على جبلٍ، لَدُكَّ البَاغِي ۔ [صحيح]

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ پر سرکشی کرے سرکشی کرنے والا ریزہ ریزہ ہوگا۔''

٦٠٢۔ عن أبي هريرةَ، أنّ رسولَ الله ﷺ قالَ: ((احتَجَّتِ النّارُ والجَنَّةُ، فقالتِ النّارُ: يَدْخُلُنِي الْمُتَكَبِّرُوْنَ وَالمتَجَبِّرُوْن، وقالتِ الجنّةُ: لَا يَدْخُلُنِي إِلَّا الضُّعَفَاءُ وَالْمَسَاكِيْنُ، فَقَالَ لِلنَّارِ: أَنْتِ عَذَابِي أَنْتَقِمُ بِكِ مِمَّنْ شِئْتُ، وَقَالَ لِلجنَّةِ: أنتِ رَحْمَتِي أَرْحَمُ بِكِ مَنْ شِئْتُ)) [حسن]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مرفوع روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت اور دوزخ نے آپس میں دونوں نے بحث کی دوزخ نے کہا مجھ میں متکبر اور جبار قسم کے لوگ داخل ہوں گے اور جنت نے کہا مجھ میں ضعفاء اور مساکین داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے فرمایا تو میرا عذاب ہے میں تیرے ساتھ انتقام لیتا ہوں جس سے چاہتا ہوں اور جنت سے کہا تو میری رحمت ہے میں رحم کرتا ہوں تیرے ساتھ جس کو چاہتا ہوں۔''

٦٠٣۔ عن فضالةَ بن عبيد، عن النَّبِيِّ ﷺ قالَ: ((ثلاثةٌ لا يُسأَلُ عنهُم: رجلٌ فارقَ الجماعةَ وعصَى إمامَهُ فماتَ عاصيًا، فَلا تَسْأَلُ عنه، وأَمَةٌ أو عبدٌ أبقَ من سيّدِه، وامرأةٌ غابَ زوجها وكفَاهَا مؤنةَ الدُّنيا فتبرَّجَتْ وتمرَّجَتْ بعدَه، و ثلاثةٌ لا يُسْأَلُ عنهُم: رَجلٌ نَازَعَ اللّٰهُ رِدَاءَهُ، فَإِنّ رِداءَهُ الكِبرِيَاءُ، وَإِزَارَهُ عِزَّه، ورجلٌ شَكَّ فِيْ أَمْرِ اللّٰهِ، وَالْقُنُوْطُ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ)) [صحيح]

''فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ نے مرفوع روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں جن سے سوال نہیں کیا جائے (بغیر حساب کے دوزخ میں جائیں گے) ایک وہ آدمی جو جماعت سے علیحدہ ہو گیا۔ اپنے امام کی نافرمانی کی اور اسی حالت میں مر گیا۔ اس سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ دوسرا وہ لونڈی اور غلام جو اپنے مالک سے بھاگ جائیں۔ تیسرا وہ عورت جس کا خاوند غائب ہو اس کے لیے دنیاوی ضرورت کا سامان اس کو مہیا کیا ہو لیکن وہ غیروں کو بن سنور کر اپنے حسن کی چمک دمک دکھائے یہ بھی بغیر حساب کے دوزخ میں جائے گی۔ تین اور ایسے آدمی ہیں جن سے کچھ سوال نہ ہوگا ایک وہ آدمی جس نے اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی چادر اور عزت کی ازار میں ہاتھ ڈالا جھگڑا کیا۔ دوسرا وہ آدمی جس نے اللہ کے معاملہ میں شک کیا۔ تیسرا وہ آدمی جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہو بیٹھا۔''

افتاء

وصیت

از: محمد عبیداللہ خاں عفیف (بانی مسجد امة العزیز اہل حدیث، رحمت ٹاؤن۔ فیصل آباد)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام بیچ اس مسئلہ کے، ایک لڑکی جس کو اپنے باپ کی جائیداد میں وراثت ملی اور اس کے بھائیوں کو بھی ان کا حصہ دے دیا گیا۔ یہ لڑکی بیمار بھی تھی، فوت ہونے سے پہلے یہ وصیت کر گئی کہ میری تمام جائیداد کسی مسجد یا مدرسہ میں لگا دی جائے اب اس لڑکی کے بھائی اس کی وصیت پر عمل نہیں کر رہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ [سائل: شیخ محمد ایوب، لاہور]

جواب: بسم الله الرحمن الرحيم، والحمد لله ربّ العالمين والصلوٰة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين نبينا وامامنا وسيدنا وقائدنا محمد وعلى آله الظاهرين وصحبه الطيبين ومن اهتدىٰ بهديه الى يوم الدين۔

بشرط صحت سوال، صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ اس لڑکی یہ وصیت احکام وصیت کے سراسر خلاف ہے۔ کیوں کہ وصیت کنندہ (موصی) اپنے مال اور ترکے میں شرعاً زیادہ سے زیادہ ۱/۳ مال کی وصیت کر سکتا ہے۔ اس سے زیادہ کا مجاز ہرگز نہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ مَرِضْتُ فَعَادَنِىْ رسولُ اللّٰه صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ يَا رَسولَ اللّٰه ادْعُ اللّٰهَ اَنْ لَا يَرُدَّنِى عَلٰى عَقَبِيٌّ قَالَ لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْفَعُكَ وَيَنْفَعُ بِكَ نَاسًا قُلْتُ اُرِيْدُ اَنْ اُوْصِىَ وَاِنَّمَا لِىْ اِبْنَةٌ فَقُلْتُ اُوْصِى بِالنِّصْفِ قَالَ النِّصْفُ كَثِيْرٌ قُلْتُ فَالثُّلُثُ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ اَوْ كَبِيْرٌ فَاَوْصَ النَّاسُ بِالثُّلُثِ فَجَازَ ذَالِكَ لَهُمْ۔ [صحيح البخارى باب الوصية بالثلث، ج:۱، ص:۳۸۳]

''حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بیمار تھا۔ رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے تو میں نے کہا میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے ثابت قدم رکھے۔ آپ نے فرمایا: ایسی کوئی بات نہیں اللہ آپ کو رفعت بخشے گا اور آپ کے ذریعہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا۔

اس پر میں نے عرض کیا کہ میں وصیت کرنا چاہتا ہوں۔ میری صرف ایک بیٹی ہے میں اس کو اپنے نصف مال کی وصیت کرنا چاہتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے کہا یہ زیادہ ہے تو میں نے کہا میں پھر اپنے کل سے ایک تہائی مال کی وصیت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے مگر یہ بھی زیادہ یا بڑی ہے۔ اس حدیث کے مطابق صحابہ اور دوسرے لوگ تہائی کی وصیت کریں تو یہ جائز ہے۔''

عن ابن عباسٍ قَالَ لَوْ عَضَّ الناس الَى الرُّبْعِ لِاَنَّ رسولَ اللّٰه صلى الله عليه وسلم قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَبِيْرٌ اَوْ كَثِيْرٌ۔ [صحيح البخارى، ج:۱، ص:۳۸۳]

''حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر لوگ اپنے مال سے چوتھے حصہ کی وصیت کریں تو مجھے یہ پسند ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے کل مال کی تہائی کو بھی زیادہ قرار دیا ہے۔''

ان دونوں احادیث صحیحہ سے نیم روز ثابت ہوا کہ وصیت تہائی مال سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ کیوں کہ اس طرح دوسرے ورثاء کی حق تلفی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس وصیت کو توڑ کر اس لڑکی کے ترکہ میں سے ۱/۳

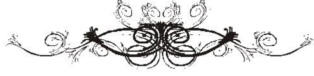
حصہ کسی مسجد یا مدرسے پر لگا دینا شرعاً ضروری ہے۔اور غلط اور غیر شرعی وصیت کو شریعت کے مطابق تبدیل کرنا جائز ہے اور تبدیل کرنے والے کو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے:

﴿ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [البقرة:۱۸۲]

''پھر جس کسی کو وصیت کرنے والے کی خطا یا عمداً اس کا قصور معلوم ہو اور وہ وارثوں اور موصی لہ (جس کے حق میں وصیت کی گئی ہو) میں صلح کرادے تو وصیت بدلنے کا کچھ گناہ اس پر نہ ہوگا۔بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

یعنی اصلاح کی نیت سے غیر شرعی وصیت کو شریعت کے مطابق بنانا ضروری ہے۔لہٰذا یہ غیر شرعی وصیت ہے اسے تبدیل کرنا ضروری ہے تاکہ اس کے دوسرے ورثاء (بہن بھائیوں وغیرہ) کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔

هـذا ما عندي والله تعالٰى اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب في يوم الحساب۔



دعائے صحت

مولانا عبدالرشید ارشد (خطیب جامع مسجد بھوئے آصل ضلع قصور) بہ عارضہ فالج صاحب فراش ہیں۔احباب جماعت ان کی صحت یابی کے لیے دعا فرمائیں۔

[قاری نذیر احمد قصوری۔فون:0346-4088526]

تحقیق وتنقید

قسط ...... (۳) آخری

چہرے کا پردہ اور چند شبہات کا جواب

حافظ محمد زبیر (ریسرچ ایسوسی ایٹ، شعبہ تحقیق اسلامی، قرآن اکیڈمی)

دوسری جمع:

﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ میں عورت کا چہرہ اور ہاتھ وغیرہ بھی داخل ہیں۔ لیکن عورت ان کو قصداً کھلا نہیں رکھتی، بلکہ یا تو کسی حرکت کے تحت ان اعضاء کا کھل جانا مراد ہے یا پھر کسی ضرورت یا مجبوری کے تحت عورت کا ان اعضاء کو کھولنا مراد ہے۔ یہ جمع درج ذیل مفسرین نے بیان کی ہے:

① ......تفسیر ابن عطیہ: مشہور مفسر ابن عطیہ رحمہ اللہ ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ویظهر لی بحکم الفاظ الآیة ان المرأة مأمورة بالأتبدی وان تجتهد فی الاخفاء لکل ما هو زینة ویقع الاستثناء فی کل ما غلبها فظهر بحکم ضرورة حرکته فیما لا بدا منها واصلاح شان فما ظهر علی هذا الوجه فهو المعفی عنه ۔ [المحرر الوجیز ابن عطیه الاندلسی، ج:۱۰، ص:۴۸۸، ۴۸۹]

''آیت کے الفاظ سے مجھے یہ لگتا ہے کہ عورت کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ظاہر نہ کرے اور ہر قسم کی زینت کو اچھی طرح چھپانے کی کوشش کرے۔ اور استثناء سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عورت پر غالب آ جائے۔ مثلاً عورت کوئی ضروری حرکت کرے یا اپنا حلیہ ٹھیک کرنے کی وجہ سے اس کے جسم کا کوئی حصہ ظاہر ہو جائے تو وہ معاف ہے۔''

امام قرطبی رحمہ اللہ نے ابن عطیہ رحمہ اللہ کی اس جمع کو حسن کہا ہے۔

② ......روح المعانی: علامہ آلوسی رحمہ اللہ ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ویکون المعنی ان ما ظهر منها من غیر اظهار کان کشفته الریح مثلاً فهن غیر مؤاخذات به فی دار الجزاء وفی حکم ذلك ما لزم اظهاره لنحو تحمل شهادة ومعالجة طبیب ۔ [روح المعانی علامه آلوسی، ج:۱۸، ص:۱۴۱]

''﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کا معنی یہ ہوگا کہ عورت کے جسم کا کوئی حصہ بغیر اس کے اظہار کیے خود بخود کھل جائے، جیسے ہوا سے کھل جانا، ایسے معاملات میں آخرت میں عورت سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ اور اس کے مفہوم میں وہ حصہ بھی شامل ہے کہ جس کا اظہار لازماً ہو جاتا ہو، مثلاً گواہی لینے کے لیے اور ڈاکٹر کے علاج کے لیے (عورت کا اپنے جسم کے کسی حصے کو ظاہر کرنا۔)''

③ ......نظم الدرر: امام بقاعی رحمہ اللہ ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ای کان بحیث یظهر فیشق التحرز فی اخفائه فبدا من غیر قصد کالسوار والخاتم والکحل فانها لا بدلها من مزاولة حاجتها بیدها ومن کشف وجهها فی الشهادة ونحوها ۔ [نظم الدرر بقاعی، ج:۱۳، ص:۲۵۹]

''یعنی وہ چیز ظاہر ہو کہ جس کے چھپانے میں مشقت ہو اور بغیر ارادے کے ظاہر ہو، مثلاً کنگن، انگوٹھی اور سرمہ وغیرہ۔ کیوں کہ عورت کو مختلف اشیاء لینے دینے میں اپنا ہاتھ استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح گواہی اور اس قسم کے دوسرے معاملات میں عورت کو اپنا چہرہ بھی کھولنا پڑتا ہے۔''

تیسری جمع:

بعض مفسرین نے سورۃ النور کی آیت ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے مراد ہاتھ اور چہرہ لیا ہے۔ لیکن اس اظہارِ زینت کو اس صورت میں جائز قرار دیا ہے جب کہ فتنے کا خوف نہ ہو۔

① ......تفسیر جلالین: صاحب تفسیر جلالین ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ وهو الوجه والكفان فيجوز نظرة لأجنبي ان لم يخف فتنة في احد وجهين والثاني يحرم لانه مظنة الفتنة ـ [تفسير جلالين امام جلال الدين سيوطى، امام جلال الدين سيوطى محلى، ص:٣٥٤]

''﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے مراد ہاتھ اور چہرہ ہے۔ اس لیے ایک اجنبی کے لیے ان کی طرف دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ فتنے کا ڈر نہ ہو۔ یہ تو ایک تفسیر ہے۔ دوسری تفسیر کے مطابق عورت کے ان اعضاء کی طرف دیکھنا حرام ہے، کیوں کہ عورت کے یہ اعضاء فتنے کا محل ہیں۔''

② ......التفسیر المنیر: ڈاکٹر وہبہ الزحیلیؒ ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

والراجح فقها وشرعا أن الوجه والكفين ليسا بعورة اذا لم تحصل الفتنة فان خيفت الفتنة وحصلت المضايقة وكثر الفساق وجب ستر الوجه ـ

[التفسير المنير الدكتور وهب الزحيلى، ج:١٨، ص:٢١٧]

''فقہ وشریعت کے اعتبار سے راجح قول یہی ہے کہ فتنے کی عدم موجودگی میں ہاتھ اور چہرہ ستر میں داخل نہیں ہیں۔ لیکن اگر فتنے کا اندیشہ ہو اور عورتوں کو تنگ کیا جائے اور فساق کی کثرت ہو جائے تو ایسے حالات میں عورت کے لیے اپنے چہرے کو چھپانا واجب ہے۔''

③ ......البحر المدید: ابن عجیبہ الحسنی ؒ ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ الا ما جرت العادة اظهارها وهو الوجه والكفان الا لخوف الفتنة ـ [البحر المديد ابن عجيبيه الحسنى، ج:٥، ص:٦٩ بيروت]

''﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ سے مراد وہ کچھ ہے جس کا عورت کی طرف سے عادتاً اظہار ہوتا ہو اور یہ چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ہیں بشرطیکہ فتنے کا خوف نہ ہو۔''

پیر کرم شاہ صاحب الازہری نے بھی ''ضیاء القرآن'' میں اسی جمع کو اختیار کیا ہے۔ علمائے احناف بھی اسی جمع کو اختیار کرتے ہوئے عورتوں کے لیے چہرے کے پردے کو واجب قرار دیتے ہیں۔

چوتھی جمع:

بعض مفسرین نے ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عورت کے ستر اور حجاب میں فرق ہے۔ ستر عورت کا وہ پردہ ہے جو کہ وہ گھر میں اختیار کرے گی اور یہ پردہ سورۃ النور میں بیان ہوا ہے۔ جب کہ حجاب عورت کا گھر سے باہر کا پردہ ہے اور حجاب کا بیان سورۃ الاحزاب میں ہے۔

① ......ترجمان القرآن: مولانا ابوالکلام آزاد ؒ ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

علماء نے ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں فقہی موشگافیاں بھی کی ہیں اور لکھا ہے کہ چہرہ اور ہاتھ ستر میں داخل نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کا کھلا رکھنا جائز ہے۔ مگر یہ بات قابل غور ہے کہ زیر بحث آیت میں ستر کا بیان ہے، حجاب کا نہیں اور حجاب ستر سے زائد ایک چیز ہے جو غیر محرم مردوں اور عورتوں کے درمیان حائل کر دیا گیا۔ لہٰذا دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔'' [ترجمان القرآن مولانا ابوالکلام آزاد، ج:۳، ص:۲۰، اسلامی اکادمی]

② ......تذکیر القرآن: علامہ وحیدالدین خان ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''خواتین کے سلسلے میں احکام دو پہلوؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک وہ جن کا عنوان ستر ہے اور دوسرے وہ جن کا عنوان حجاب ہے۔ ستر کا تعلق جسم کے پردے سے ہے، یعنی عورت خواہ گھر

کے اندر ہو یا گھر سے باہر، اس کے لیے اپنے بدن کا کون سا حصہ کس کے سامنے اور کن حالات میں کھلا رکھنا اور کب کھلا رکھنا جائز ہے۔ حجاب کا تعلق باہر کے پردے سے ہے، یعنی اس مسئلے سے شریعت نے عورت کو کن حالات میں گھر سے باہر نکلنے اور سفر کرنے کی اجازت دی ہے۔ ان آیات میں بنیادی طور پر ستر کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ حجاب کا مسئلہ آگے سورۃ الاحزاب میں ہے۔'' [تذکیر القرآن، علامہ وحیدالدین خان، ج:۲، ص:۱۹۲]

مولانا مودودی نے بھی ''تفہیم القرآن'' میں اس جمع کو بیان کیا ہے۔

پانچویں جمع:

بعض مفسرین نے ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد تو ہاتھ اور چہرہ ہی ہے، لیکن اس زینت کو ایک عورت صرف اپنے ان محارم کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے جن کا ذکر آگے آیت میں ہو رہا ہے، اجنبی افراد کے سامنے نہیں۔

معارف القرآن: مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''زینت کے معنی آرائش اور زیبائش کے ہیں خواہ خلقی اور قدرتی ہو، جیسے چہرہ اور دونوں ہاتھ اور ہتھیلیاں، یا مصنوعی اور اختیاری ہو جیسے پوشاک اور زیور، یہ سب چیزیں زینت ظاہرہ یعنی ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ میں داخل ہیں جن کا اظہار سوائے محارم کے کسی کے سامنے جائز نہیں، جن کا ذکر آئندہ آیت میں آنے والا ہے۔'' [معارف القرآن، مولانا ادریس کاندھلوی، ج:۵، ص:۱۱۸]

چھٹی جمع:

چھٹی جمع وہ ہے جو کہ غامدی صاحب نے پیش کی ہے۔ وہ یہ کہ سورۃ الاحزاب میں نازل شدہ حکم جلباب کو ایک وقتی اور تدبیری حکم مانا جائے۔ پروفیسر خورشید عالم صاحب نے بھی غامدی صاحب کی اس جمع کو اختیار کیا ہے۔ اس جمع کی بنیاد وہ ''کہانی'' ہے جس کو غامدی صاحب نے قانونِ معاشرت سے متعلقہ اپنے لیکچرز میں بیان کیا ہے۔

پانچواں شبہ

ششماہی ''منہاج'' (جولائی تا دسمبر ۲۰۰۵ء) میں گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد کے ایک پروفیسر صاحب کا طویل مقالہ حجاب کے موضوع پر شائع ہوا۔ اس کا تفصیلی جواب ''منہاج'' (جنوری تا جون ۲۰۰۶ء) میں شائع ہو چکا ہے۔ اس مقالے میں پروفیسر صاحب نے آیت جلباب کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس میں ﴿ ذلك ادنى أن يعرفن فلا يؤذين ﴾ کا حکم حجاب کا سبب ہے اور سبب کے بارے میں اصولیین کا قاعدہ یہ ہے کہ جب سبب ہوگا تو حکم ہوگا اور جب سبب نہیں ہوگا تو حکم بھی نہیں ہوگا۔ اس لیے آپ ﷺ کے زمانے میں تو یہ سبب موجود تھا اس لیے حجاب کا حکم بھی تھا، آج یہ سبب موجود نہیں ہے اس لیے حجاب کا حکم بھی نہیں ہوگا۔

سبب اور حکمت کا فرق:

پروفیسر صاحب نے ﴿ ذلك ادنى أن يعرفن فلا يؤذين ﴾ کو سبب بنایا ہے۔ حالاں کہ اصولیین کی اصطلاح میں اسے ''حکمت'' یا ''مصلحت'' کہتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالکریم زیدان ''حکمت'' کے بیان میں لکھتے ہیں:

وانما شرعت لمصلحة العباد فى العاجل والآجل وهذا المصلحة المقصودة اما جلب منافع لهم، واما دفع أضرار ومفاسد ورفع حرج عنهم ...... فالقرآن الكريم غالبا ما يقرن بحكمه الحكمة الباعثة على تشريعة من جلب نفع أو دفع ضرر فحكمة الحكم هى المصلحة من جلب نفع أو دفع ضرر أراد الشارع تحقيقها بتشريع ذلك الحكم الا أن الملاحظ: أن الشريعة، غالبا، لا تربط الحكم بحكمتة وجوداً وعدماً ...... وقد تكون الحكمة أمرا غير منضبط، أى يختلف باختلاف الناس وتقديرهم، ولا يمكن بناء الحكم عليه لأنه يؤدى الى الاضطراب والفوضى فى الاحكام فلا يستقيم أمر التكليف ولا يطرد ولا

ینضبط وتکثر الادعات للتحلل من الأحکام ۔
[الوجیز فی اصول الفقہ الدکتور عبدالکریم زیدان، ص:۲۰۲، ۲۰۳]

''حقیقت یہ ہے کہ احکام شرعیہ بندوں کی مصلحت کے لیے دیے گئے ہیں خواہ ان کا فائدہ فوراً ہو یعنی دنیا میں یا کچھ دیر بعد یعنی آخرت میں۔ اس مصلحت سے مقصود یا تو بندوں کے لیے منفعت کا حصول ہے یا ان سے نقصانات، مفاسد اور تنگی کو دور کرنا ہے......قرآنِ مجید اکثر اوقات اپنے حکم کے ساتھ اس حکمت کا بھی ذکر کرتا ہے جو اس حکم کی تشریع کے لیے محرک ہو یعنی حصولِ منفعت یا دفع مضرت...... پس حکمت سے مراد وہ مصلحت ہے جو حصول منفعت یا دفع مضرت کی صورت میں ہوتی ہے جس کو شارع اس حکم کی تشریع کے ساتھ وجود میں لانا چاہتے ہیں۔ تاہم یہ بات قابل لحاظ ہے کہ شریعت نے حکم کو اس کی حکمت کے ساتھ اکثر احکام میں، وجود یا عدم کے اعتبار سے براہِ راست مربوط نہیں کیا ہے......اور بعض اوقات حکمت غیر منضبط ہوتی ہے یعنی لوگوں کے اختلاف اور ان کے اندازوں میں تبدیلی سے یہ بھی تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اس وقت حکم کی بنیاد اس پر نہیں رکھی جا سکتی۔ کیوں کہ ایسی صورت میں حکمت کو حکم کی بنیاد بنانا انتشار اور بدنظمی کا باعث بنتا ہے۔ اس صورت میں مکلّف ہونے کا حکم ایک چیز پر قائم نہیں رہتا اور نہ ہی اس میں عمومیت آ سکتی ہے اور نہ ہی اس کو منضبط کیا جا سکتا ہے اور احکام سے راہِ فرار اختیار کرنے کے بہت سے دعوے ہو سکتے ہیں۔''

ہماری مذکورہ بالا اس بحث سے درج ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

①......حکمت سے مراد جلب منفعت اور دفع ضرر ہے۔ اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ﴿ ذلك ادنى أن يعرفن فلا يؤذين ﴾ میں دفع ضرر کی بات ہو رہی ہے اس لیے یہ حکمت ہے نہ کہ سبب۔

②......''حکمت'' غیر منضبط ہوتی ہے، یعنی اگر اس کی بنیاد پر حکم جاری کیا جائے تو وہ حکم مختلف اشخاص کے اعتبار سے تبدیل ہوتا رہے گا جب کہ ''سبب'' کے بارے میں اصولیین نے لکھا ہے کہ سبب ایک منضبط وصف ہوتا ہے یعنی اس پر اگر کسی حکم کی بنیاد رکھی جائے تو وہ حکم سب کے لیے ایک ہی ہوگا۔ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ﴿ ذلك ادنى أن يعرفن فلا يؤذين ﴾ ایک غیر منضبط وصف ہے کیوں کہ اس کی بنیاد پر حکم مکلّفین کے حق میں باقی رہتا ہے جب کہ بعض مکلّفین کے حق میں باقی نہیں رہتا۔ اس لیے یہ ''سبب'' نہیں، حکمت ہے۔

③......حکم کی بنیاد حکمت پر نہیں رکھی جاتی بلکہ علت پر رکھی جاتی ہے یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ بعض اوقات حکمت ہی علت بن جاتی ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ حکمت ایک منضبط وصف ہو۔ حکمت اور علت میں اصل فرق انضباط کا ہے۔ حکمت اگر منضبط ہو جائے تو وہ علت بن جاتی ہے۔

④......اگر حکمت ایک غیر منضبط وصف ہو تو اس پر احکام کی بنیاد رکھنے کا مطلب ہے احکام سے راہِ فرار اختیار کرنا اور شرعی احکامات کو اڑانا، جیسا کہ پروفیسر صاحب نے مذکورہ مسئلے میں حکمت کو بنیاد بنا کر حکم حجاب کا انکار کیا ہے۔

⑤......اضافی طور پر یہ بات ہمارے علم میں ہونی چاہیے کہ اگر کسی حکم کا سبب ایسا ہو کہ عقل اس کے اور حکم کے درمیان مناسبت کا ادراک کر سکتی ہو تو اس سبب کو 'علت' کہتے ہیں اور اگر کسی حکم کا سبب ایسا ہو کہ عقل اس (سبب) کے اور حکم کے درمیان مناسبت کا ادراک نہ کر سکتی ہو تو اس سبب کو صرف ''سبب'' کہتے ہیں۔ مثلاً سفر روزہ افطار کرنے کا سبب ہے لیکن یہ سبب ایسا ہے کہ اس کے اور حکم کے درمیان مناسبت کا ادراک عقل سے ممکن ہے۔ اس لیے یہ سبب علت ہے جب کہ سورت کا غروب ہونا مغرب کی نماز کے وجوب کا سبب ہے۔ لیکن یہ سبب ایسا ہے کہ اس کے اور حکم کے درمیان مناسبت کا ادراک عقل سے ممکن نہیں ہے اس لیے اسے صرف سبب کہیں گے۔ سبب اور علت میں اصل فرق مناسبت کا ادراک ہے۔ بفرضِ محال ﴿ ذلك ادنى أن يعرفن فلا يؤذين ﴾ کو اگر پروفیسر صاحب کے کہنے کے مطابق سبب مان بھی لیا جائے تو پھر بھی یہ سبب نہیں کہلائے گا۔ کیوں کہ عقل اس کے درمیان اور حکم حجاب کے درمیان مناسبت کا ادراک کر سکتی ہے۔ ایسی صورت میں

اس کو علت کہیں گے نہ کہ سبب۔

خلاصہ کلام یہ کہ ﴿ ذلك ادنى أن يعرفن فلا يؤذين ﴾ حکم حجاب کی حکمت یا مصلحت ہے جس سے شارع کا مقصد دفع ضرر ہے۔ اس حکمت کے غیر منضبط ہونے کی وجہ سے اس کو نہ تو علت بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی سبب۔ کیوں کہ علت اور سبب دونوں ہی منضبط وصف ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی رحمہ اللہ نے بھی ﴿ ذلك ادنى أن يعرفن فلا يؤذين ﴾ کو حکمت قرار دیا ہے۔ وہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الحكمة من أمر الحرائر بالتستر ألا يختلطن بالاماء فاذا عرفن لم يقابلن بأدنى معارضة مراعاة لرتبة الحرية فتنقطع الأطماع عنهن ۔ [التفسير المنير الدكتور وهبه الزحيلي، ج:۲۲، ص:۱۱۰ دمشق]

''آزاد عورتوں کو حکم کا حکم دینے کی حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ آزاد عورتیں لونڈیوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائیں۔ جب آزاد عورتوں کے بارے میں معلوم ہو جائے گا کہ وہ آزاد ہیں تو پھر انہیں کسی قسم کی معمولی سی تکلیف بھی نہ دی جائے گی تاکہ آزاد عورتوں کے مقام کا لحاظ رکھا جائے اور ان سے ہر قسم کی غلط امیدیں ختم ہو جائیں۔''

چھٹا شبہ

عام طور پر عوام الناس اور بعض اسکالرز کی طرف سے یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ اگر عورت کے لیے چہرے کا پردہ ضروری ہے تو پھر قرآن میں ''غض بصر'' کا جو حکم آیا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر ہم قرآن کی اس آیت کو اس کے سیاق وسباق میں سمجھنے کی کوشش کریں تو یہ شبہ دور ہو جاتا ہے۔ ''غض بصر'' کا حکم سورۃ النور کی آیت ۳۱ میں بیان ہوا ہے جب کہ سورۃ النور کی چار آیات (۲۷ تا ۳۱) کا موضوع ایک ہی ہے۔ ان آیات میں مسلمان مردوں اور عورتوں کو کسی دوسرے مسلمان بھائی کے گھر داخل ہونے کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ ان آیات کا آغاز یوں ہوتا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ ۝ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَ لَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ [النور:۲۷-۳۱]

''اے وہ لوگو جو ایمان لے کر ہو تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ تم اجازت نہ طلب کر لو اور اہل خانہ پر سلامتی نہ بھیج لو، یہ تمہارے لیے بہت زیادہ بہتر ہے شاید کہ تم نصیحت حاصل کرو۔ پس اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ گھر میں کوئی بھی نہیں ہے تو بغیر اجازت کے گھر میں داخل نہ ہو اور اگر تمہیں یہ کہا جائے کہ لوٹ جاؤ واپس چلے جایا کرو، یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔ تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم ان غیر رہائشی گھروں میں (بغیر اجازت کے) داخل ہو کہ جن میں تمہارے لیے نفع ہے

اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ (اے نبی ﷺ)! آپ مومن مردوں سے کہہ دیں وہ اپنی نظروں کو دبا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے جو وہ کررہے ہیں۔ (اے نبی ﷺ)! کہہ دیں مومن عورتوں سے کہ وہ اپنی نگاہوں کو پست رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں سوائے اس کے کہ جو خود بخود ظاہر ہو جائے، اور اپنی چادروں کے پلو اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں۔ اور اپنی زینت کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپوں کے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی (میل جول کی) عورتوں کے یا اپنے لونڈی غلام کے یا اُن زیردست مردوں کے جو کسی قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں یا اُن بچوں کے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہ ہوں۔ اور وہ اپنے پاؤں (زمین پر) مار کر نہ چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔ اور تم سب مل کر اللہ کے ہاں توبہ کرو۔ اے اہل ایمان! شاید کہ تم فلاح پا جاؤ۔''

ان آیات میں کسی دوسرے مسلمان بھائی کے گھر میں داخل ہونے کے درج ذیل آداب سکھائے گئے ہیں:

①...... بلا اجازت اور سلام کیے بغیر نہیں داخل ہونا چاہیے، جیسا کہ آیت ۲۷ میں بیان ہوا ہے۔

②......اگر اہل خانہ گھر پر موجود نہ ہوں تو گھر میں داخل نہیں ہونا چاہیے، جیسا کہ آیت ۲۸ میں بیان ہوا ہے۔

③......اگر اہل خانہ مصروف ہوں یا کسی اور وجہ سے فوراً ملاقات نہ کر سکتے ہوں اور ملاقاتی سے معذرت کرلیں تو ملاقاتی کو ان کی معذرت قبول کرنی چاہیے اور ملاقات پر اصرار نہیں کرنا چاہیے، جیسا کہ آیت ۲۸ میں بیان ہوا ہے۔

④......وہ گھر جو کہ ذاتی رہائش کی جگہیں نہ ہو مثلاً ہوٹل، سرائے وغیرہ وہاں بغیر اجازت داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ آیت ۲۹ میں بیان ہوا ہے۔

یہ آیت درمیان میں ایک جملہ معترضہ ہے کیوں کہ سابقہ آیات میں ان گھروں میں داخل ہونے کے آداب بتائے جا رہے ہیں جو کہ رہائشی ہوں اور اس سلسلے میں سب سے پہلی تعلیم یہ دی گئی کہ بغیر اجازت کسی رہائشی گھر میں داخل نہیں ہونا چاہیے جس پر مخاطب کے ذہن میں خود بخود ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر غیر رہائشی گھروں کا کیا حکم ہے؟ اس سوال کا جواب آیت ۲۹ میں دیا گیا ہے۔

⑤......کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہوتے وقت مسلمان مردوں کو چاہیے کہ وہ اپنی نگاہوں کو دبا کر رکھیں، جیسا کہ آیت ۳۰ میں بیان ہوا ہے۔ کیوں کہ گھر کی خواتین کو گھر کے کام کاج کرنے ہیں یا مہمان نوازی کرنی ہے یا بچوں کی دیکھ بھال کے لیے حرکت کرنی ہے تو ان اور ان جیسے تمام دوسروں کاموں کے دوران خواتین کے لیے عموماً اپنے چہرے اور سر وغیرہ کی زینت چھپانا مشکل ہوتا ہے۔

اس لیے ایک طرف تو خواتین کو یہ حکم دیا کہ اس مشقت کے باوجود اپنی زینت کو چھپانے کی انتہائی کوشش کریں اور اس کوشش کے باوجود بھی اگر ان کے چہرے یا جسم کا کوئی دوسرا حصہ کام کاج کے دوران کسی حرکت کی وجہ سے کھل جاتا ہے تو اس کی رخصت ہے، جیسا کہ آیت ۳۱ میں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ گھر میں موجود نامحرم مردوں کو بھی یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنی نگاہ کو آوارہ اور کھلا نہ چھوڑیں بلکہ دبا کر رکھیں تاکہ خواتین کے چہرے وغیرہ کا ستر اگر کسی حرکت کی وجہ سے کھل بھی جائے تو اس پر نظر نہ پڑے اور اگر ایک آدھ دفعہ اتفاقاً کوئی ایسی نگاہ پڑ بھی جائے تو فوراً لوٹا لے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کی احادیث میں آیا ہے۔ یہ اس آیت اور اس کے مفہوم کی احادیث کا اصل محل ومقام ہے۔ [باقی صفحہ ۳۲ پر]

افادات

آقا کے حضور استغفار اور اس کی برکات

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں مومنوں کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: وبالاسحارھم یستغفرون ''اور وہ سحری کے وقت بخشش طلب کرتے ہیں۔'' +

لفظ یستغفرون کا مادہ غفران ہے، جس کے معنی پردہ کے ہیں۔ ایک مومن اپنے ربّ کے حضور یہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ میرے گناہوں پر پردہ ڈالے رکھ۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو استغفار، بخشش طلب کرنے کا حکم دیا۔ چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ واستغفر لذنبك ﴾

''اے نبی اپنے گناہوں کے لیے استغفار کریعنی بخشش طلب کر۔''

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے جب نافرمانی اور سرکشی کی تو ان کے ہاں قحط پڑ گیا وہ بھوکے مرنے لگے۔ بیماری عام ہوگئی مال کی مختلف اقسام کم ہونا شروع ہوگئیں اور لہلہاتی کھیتیاں ویران وبنجر میدانوں میں بدل گئیں اور اُن میں سوائے گرد وغبار کے اور کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ ان کی ان تمام آفات کا علاج اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کی زبانی یہ بتایا کہ وہ اپنے ربّ سے استغفار کریں۔

چناں چہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا o يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا o وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴾

''اے لوگو! اپنے ربّ سے بخشش طلب کرو بے شک وہ بخشنے والا ہے وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہیں مالوں اور بیٹوں سے بڑھائے گا اور تمہارے واسطے باغ بنادے گا اور تمہارے لیے نہریں بنادے گا۔''

یعنی استغفار ہی کا نتیجہ ہوگا کہ تمہیں پھر سے ان تمام چیزوں کی فراوانی حاصل ہوجائے گی، تمام انسان چوں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام سے ایک غلطی ہوئی جس کے بعد آپ نے فوراً استغفار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو معاف فرمادیا۔ چوں کہ باپ سے ایک غلطی ہوئی تو اس کا اثر لامحالہ اولاد میں منتقل ہونا تھا اس سے معلوم ہوا کہ غلطی انسان کی سرشت میں ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: کلکم خطاؤن ''تم سب کے سب گنہگار ہو۔''

دوسری حدیث قدسی کے الفاظ یہ ہیں:

بِكُمْ تُخْطِؤُنَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ فَاسْتَغْفِرُوْنِىْ اَغْفِرْلَكُمْ

''اے میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو پس تم مجھ ہی سے بخشش طلب کرو میں تمہیں بخش دوں گا۔''

حضرت آدم علیہ السلام نے غلطی کا احساس ہوجانے کے بعد فوراً اپنے ربّ کی طرف رجوع کیا اور اپنے گناہ کی بخشش طلب کی، تو معلوم ہوا کہ اگر غلطی انسان کی سرشت میں رکھی گئی ہے تو ساتھ ہی اس کا علاج بھی کردیا گیا ہے۔ یعنی دل میں ندامت کا پیدا ہونا، اور خدا کی طرف رجوع کرنا، حضرت آدم علیہ السلام ایک نیکی (معافی مانگنے) کے موجد ہیں اور جو شخص کسی نیکی کا اجراء کرتا ہے اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب بھی جاری کنندہ کو ملتا ہے۔ اس طرح بنی نوع انسان میں سے جو لوگ بھی اپنی غلطیوں پر نادم ہوکر اپنے ربّ سے بخشش طلب کریں گے ان تمام کے ثواب میں حضرت آدم علیہ السلام کا بھی حصہ ہے۔

اپنی غلطیوں سے معافی مانگنا ہی اصل انسانیت ہے اور یہ چیز خدا کی توفیق کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ چناں چہ بعض ایسی مسنون دعائیں مروی ہیں جن میں بندے کی عاجزی کا اقرار، اللہ کی بزرگی وبرتری کا اعتراف، اور وہ تعلق ظاہر ہوتا ہے جو ایک مخلوق کا اپنے خالق سے اور

ایک گنہگار کا ''رحیم'' سے ہونا چاہیے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جن سے آپ کی محبت کا یہ عالم ہے کہ آپ کا ارشاد ہے اگر میں اللہ کے سوا اپنے دل میں کسی کی محبت کو جگہ دیتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت کو دیتا، ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں تشہد میں درود کے بعد پڑھنے کے لیے یہ دعا سکھائی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔

''اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم ڈھایا ہے گناہوں کو تیرے سوا بخشنے والا کوئی نہیں ہے تو ہی اپنی خاص عنایت سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ بے شک تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض اوقات آدمی جنگل میں نکل جاتا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے اور اسے یقین کامل ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اس کے گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

جس استغفار میں اعترافِ جرم، عاجزی وانکساری پائی جائے وہ اللہ کے ہاں زیادہ مستجاب ہے اور اُسے سید الاستغفار کہا جاتا ہے جیسا کہ اس استغفار کے الفاظ ہیں:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ۔

''اے اللہ تو ہی میرا ربّ ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوا اور اپنی طاقت کے مطابق میں تیرے وعدے اور عہد پر قائم ہوں۔ میں نے جو برا کام کیا اس کے وبال سے تیری پناہ چاہتا ہوں، میں اس نعمت کا اقرار کرتا ہوں جو تو نے مجھ پر کی اور اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہوں، پس تو مجھے بخش لے کیوں کہ تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں۔''

گناہ کا اعتراف حقیقت میں بہت بڑا مقام ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ اقرار فرماتے ہیں۔ چناں چہ ارشاد ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ۔

''یا اللہ! میرے اگلے پچھلے، کھلے چھپے گناہوں کو بخش دے اور اُن گناہوں کو بھی بخش دے جن کے گناہ ہونے کا مجھے علم نہیں تو ہی آگے کرنے والا اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔''

اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ انسان اپنے قصور کا اعتراف کرے اور اپنے آپ کو غلط کار اور خطاوار جانے، ان گناہوں کو معاف فرمانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت سے اسباب پیدا کر دیئے ہیں۔ ان میں سر فہرست توحید ہے۔ توحید کا عقیدہ بھی انسان کی لغزشوں اور خطاؤں کے بخشوانے کا سبب بنتا ہے۔

اسی طرح دوسرا سبب نیکیوں کا کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾

''بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔''

بہ ظاہر کتنے گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے گناہ ہونے کا خود ہمیں علم نہیں ہوتا یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ ایک نیکی انسان کے گناہوں کو مٹانے کا سبب بنتی ہے۔ انسان کے اندر جب گناہ کا احساس ہوگا تو وہ لازماً نیکیاں کرے گا تاکہ اس کے گناہ دھل جائیں۔

اس احساس کا ایک اجتماعی فائدہ بھی ہے کہ جب ہر ایک اپنے آپ کو غلط کار سمجھے گا تو وہ اپنے آپ کو کسی سے برتر نہیں جانے گا بلکہ دوسرے سے کم تر تصور کرے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے اندر رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کی کیفیت پیدا ہوگی۔

اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ انسان کا تعلق ہر وقت اپنے ربّ سے قائم رہے گا۔ کیوں کہ جب وہ یہ جانتا ہوگا کہ وہ گنہگار ہے تو وہ ہر وقت اپنے ربّ سے بخشش طلب کرتا رہے گا اور اس کی یاد کو تازہ رکھے گا۔ اس احساس کے فقدان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی گناہ پر دلیر ہوجاتا ہے اور جب یہ دلیری کسی قوم میں پیدا ہوجاتی ہے تو پوری کی پوری قوم گناہوں میں ملوث ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ عیسائی قوم کہ ان کے دل میں شیطان نے دلیری کی یہ بات ڈال دی کہ یسوع مسیح ہمارے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں۔ اب ہم جس قسم کے گناہ بھی کریں ہمارا کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

بعض مسلمان بھی یہ غلط عقیدہ اپنائے ہوئے ہیں کہ ہم جس قدر بھی گناہ کرلیں ہم پر کوئی گرفت نہیں۔ کیوں کہ محمد ﷺ قیامت کو ہماری شفاعت فرمائیں گے اور ہمیں جنت میں لے چلیں گے جو شخص شفاعت کا یہ مطلب سمجھتا ہے وہ سراسر غلطی پر ہے۔ استغفار گناہ کے لیے تریاق کا کام دیتا ہے۔ چناں چہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ رَبِّیْ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ ۔

ایک دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔''

دوسری جگہ یہ الفاظ مروی ہیں:

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْم ۔

''اے میرے ربّ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رجوع فرما بلاشبہ تو ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن میں ہزار مرتبہ استغفار پڑھتا ہوں اور اس تعداد کی وہ یہ وجہ بیان فرماتے ہیں کہ چوں کہ قتل عمد کی دیت سو دینار ہے۔ اس لیے میں ایک دن میں ایک دیت کے برابر گنتی پوری کرتا ہوں۔

استغفار کے بارے میں یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ وہ صرف گناہوں کے بعد ہی نہیں پڑھا جاتا بلکہ نیکی کے کاموں کے بعد بھی استغفار کرنے کا حکم ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم نماز کے بعد تین مرتبہ استغفر اللہ پڑھا کرو جس کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ اس نماز میں جو کوتاہیاں اور لغزشیں مجھ سے ہوئی ہیں تو ان کو بخش دے۔ اسی طرح ایک اور استغفار بھی مروی ہے جس کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے کہ جو شخص رات کو سوتے وقت تین مرتبہ پڑھ لے تو اس کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ ۔

''میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ و قائم رکھنے والا ہے اور میں اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''

اسی طریقہ سے نبی ﷺ نے مجلس کا بھی ایک استغفار سکھایا کہ انسان مختلف نشستوں اور اجتماعات میں بعض اوقات غیر ضروری باتیں کرجاتا ہے تو یہ استغفار اس کی اس نوعیت کی کوتاہیوں کے لیے کفارہ بن جائے گا۔

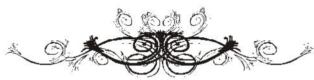
سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ ۔

''یا اللہ تو پاک ہے اور اپنی تعریف کے ساتھ، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔''

صبح کے وقت استغفار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ چوں کہ وہ وقت اس کام کے لیے موزوں تریں ہے اور انسان اپنے گناہوں کا احساس بڑے اچھے طریقے سے کرسکتا ہے اور اس کے اور خدا کے درمیان خلل انداز ہونے والی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اسی لیے فرمایا:

وَبِالْاَسْحَارِهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۔

[ہفت روزہ المنبر، جلد:۴۰، شمارہ:۳۷]



قند مکرر

حافظ ابن حجر العسقلانی

محب الدین الخطیب ...... ترجمہ: سید محمد اسماعیل الافریقی

رجب ۷۷۷ھ کو جب یہ ہونہار یتیم سایہ پدری سے محروم ہوا تو اس کی عمر کے چوتھے سال کی تکمیل بھی نہیں ہوئی تھی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ فسطاطہ شہر پر شیطانی طاقتوں نے سر توڑ معرکہ آرائی شروع کر رکھی تھی اور جس سرزمین پر رحمۃ للعالمین کی مقدس جماعت نے نور و ہدایت، صلح وآشتی اور محبت و ایثار کی وہ شمعیں جلائی تھیں جن کی تابناکیاں نیل کی سدا بہار وادی سے پھوٹ کر افریقہ کی سنگلاخ چٹانوں سے بھی آگے گزر کر سپین کے سواحل کو سراپا نور کر گئی تھیں۔ وہ سرزمین یکا یک تاریکی وظلمت کا شکار ہوگئی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام کا بے نظیر کماندار مجاہد عبدالرحمٰن الغافقی اندلس کی سرزمین کو فتح کرنے کے بعد آگے بڑھا اور فرانس کی سرحدوں کو چیرتا ہوا شہر تور تک پہنچا۔ اس ظفریابی اور فتح مندی نے اسلامی فوج کا وہ عنصر بیدار کر دیا جو عام طور پر معرکہ آرائی اور عسکریت شعاری کی عبرت ناک آفت ہے۔ مسلمان مالِ غنیمت کے انباروں کو دیکھ کر اپنی قوت وسطوت پر بھروسہ کر کے بیٹھ گئے اور عین معرکہ آرائی میں مال ودولت کی حرص کا شکار ہوگئے۔ دوسری طرف فرانس کا مشہور جرمنی نژاد جنرل چارل مارشل، زیانڈی، اوسٹری، ایتالوی اور دیگر اقوام کی کثیر تعداد فوج لے کر اپنی قسمت کی آخری بازی لگا رہا تھا۔

۸ شعبان ۱۱۴ھ (اکتوبر ۷۳۲ء) کو مقام تور پر قتل وقتال کا بازار اپنے شباب پر تھا۔ چارل مارشل کی سیاسی بیدار مغزی اس کی استقامت اور اس کی ثابت قدمی پورے جوبن پر تھی۔ ادھر مسلمانوں کی پیش قدمی رک چکی تھی۔ اپنی عظمت وشوکت کے زعم باطل اور مال ودولت کی حرص نے ان کے عزم وحوصلہ کو بری طرح پامال کر دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو ہزیمت وشکست کی وہ ضرب کاری لگی کہ پورا یورپ آٹھ صدیوں سے اس پر کراہ رہا ہے۔ کیوں کہ مسلمانوں کی پسپائی یورپ کو انسانیت سے محرومی کے مترادف ثابت ہوئی۔ یہ امن وامان سے حرماں نصیبی اور وحشت وبربریت کی تاریخ کا ایک نیا باب تھا۔

نٹشی مشہور فیلسوف نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ

''مسیحی تہذیب نے ہمیں اسلام جیسی عظیم دولت سے محروم کر دیا۔''

چناں چہ اس شکست اور ہزیمت کا اثر بعد میں سالوں تک برابر محسوس ہوتا گیا۔

قاہرہ پر عیدیوں نے حملہ کیا اور فسطاطہ شہر کو ایسی آگ لگائی کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ سینکڑوں مساجد، کتب خانے، مدارس اور لاکھوں ادب، تاریخ، تراجم اور دیگر فنون کی کتابیں نذر آتش ہو کر راکھ کا ڈھیر بن گئیں۔ آگ کی لپیٹ کا یہ عالم تھا کہ ۵۴ دن تک فسطاطہ ایک آتشداں بنا رہا۔

اس واقعہ سے چند سال بعد یکا یک انقلاب آیا۔ مصر کے آسمان کے نیچے سب سے پہلی مسجد کی بنیاد رکھی گئی اور مسلمانوں کا اجتماع ہوا۔ اسلامی تمدن کی کھیتی لہلہانے لگی اور مسلمانوں کا خوابیدہ اخلاق یکا یک بیدار ہونے لگا۔ جب شہر آباد ہو گیا اور رونق بڑھ گئی تو لوگوں نے فسطاطہ کا نام ''مصر العتیقۃ'' (مصر قدیم) رکھا۔ اسی شہر میں اسلام کی علمی دنیا کا وہ درخشندہ ستارا نمودار ہوا جس کی نظیر اسلام ہی نہیں بلکہ شاید کسی دوسرے مذہب کی تاریخ بھی پیش نہ کر سکے۔ مصر کے اس دُرّ ثمین اور جوہر قدیم کا نام احمد بن حجر العسقلانی تھا۔ بے شک یہ مصر قدیم کا دُرّ یتیم تھا۔

پدرانہ لطف وکرم کے سایہ سے جب یہ دُرّ یتیم محروم ہوا تو ان کے والد مرحوم کے وصی شیخ زکی الدین الخروجی تشریف لائے اور جب تک زندہ رہے بڑی شفقت ومحبت کے ساتھ ان کی پرورش کرتے رہے۔

ایک مکتب میں قراۃ، کتابت اور حفظ کتاب اللہ کے لیے داخل کیا۔ شیخ زکی الدین بڑے جوہر شناس تھے وہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے۔ بیٹا! بھلائی کی عادت ڈالو۔ خدا کے علوم کو محبت سے پڑھو تا کہ ربّ العزت تم سے محبت کرے۔ قرآن پاک کے حفظ میں عزم مصمم رکھو۔ وہ دنیا اور آخرت میں اس کے ثواب کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے۔ بیٹا! نیت ہمیشہ خالص رکھو، مبادا اس میں سے برکت اٹھ جائے اور اپنی پوری قوت ومساعی حکمت ومعرفت کی تحصیل میں صرف کردو کہ کل اللہ کے سامنے اور لوگوں کے روبرو سرخروئی تمہارے قدم چومے۔

جن مؤرخین نے سینکڑوں دفاتر اس یتیم کی زندگی کے عجیب وغریب واقعات سے مزین کیے تھے، ان کا بیان ہے کہ ایک ہی دن میں پوری سورۃ مریم حفظ کر ڈالی جو کہ اٹھانوے آیتوں پر مشتمل ہے۔ جب یہ یتیم عمر کی نویں بہار کو پہنچا تو نہ صرف قرآنِ پاک کے حفظ سے بلکہ بعض متون کی خواندگی اور دیگر متندعربی قواعد کی کتابوں سے فارغ ہو چکا تھا۔ حافظ مقدسی کی ''العمدة فی احادیث الاحکام''، نجم قرینی کی ''الحادی الصغیر فی الشافعیه''، ابن حاجب کی ''مختصری اصول الفقه'' علامہ حریت کی ''ملحة الاعراب'' پڑھ چکے تھے۔

۷۸۴ء میں حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تا کہ حج کا فریضہ بھی ادا کرلیا جائے اور وہاں کے علماء کبار کی صحبت سے استفادہ کا موقعہ بھی مل جائے۔ چناں چہ یہ مبارک ارادہ خدا کو منظور ہوا۔ حج سے فراغت کے بعد ڈیڑھ سال تک استفادہ کی غرض سے وہاں کے مشہور علماء سے ملاقاتیں کیں اور باقاعدہ صحیح بخاری کو علامہ عفیف الدین عبداللہ بن محمد نیشاپوری (۷۰۵۔۷۹۰ھ) سے سماع کیا۔ حجاز کے معروف عالم محمد بن عبداللہ بن ظہیر المخزومی (۷۵۰۔۷۱۷ھ) سے استفادہ کیا۔ مکہ میں عملی طور پر بھی آپ نے بڑی سرگرمی دکھائی۔

عین کعبۃ اللہ کے مشرقی جانب میں پورے رمضان میں ایک قرآن سنایا اور ۷۸۶ھ میں واپس مصر لوٹے۔

ابھی آپ کی عمر بلوغت کو بھی نہیں پہنچی تھی کہ آپ پر علم واسرار کے وہ جوہر کھلنے لگے جو بڑھاپے اور کبیر سنی میں ہی کھل سکتے ہیں۔

آپ کے معاصر حافظ بن مہند مکی (۷۸۷۔۸۷۱) فرماتے ہیں کہ ''حافظ ابن حجر کی نظر سب سے پہلے ادب اور تاریخ پر مرکوز ہوئی۔ حتیٰ کہ اس پر کامل مہارت اور مکمل عبور حاصل کر لیا۔ یہ اپنے تمام معاصر ادباء سے بہتر شعر کہتے تھے۔'' اس کے بعد آپ نے علم حدیث کے مشہور امام حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی سے (۷۲۵۔۸۷۱) سے حدیث پڑھی۔ انہوں نے گواہی دی کہ یہ یتیم ان کے تلامذہ میں بے نظیر ہے۔

آپ نے فقہ کا علم فقہاء کی ایک جماعت سے حاصل کیا، ان میں سے اپنے زمانہ کے مشہور بزرگ شیخ الاسلام سراج الدین عمر بن رسلان بلقینی (۷۲۔۸۰۵) خاص طور سے قابل ذکر ہیں، اور یہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس لائق شاگرد کو افتاء کی پوری اجازت دی۔ اصول کا علم عبدالعزیز الکنانی جیسے ماہر سے پڑھا اور لغت کا اہم فن صاحب قاموس المحیط مجدالدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی سے سیکھا۔

۸۰۲ء میں جب آپ کی عمر تقریباً ۳۰ برس کو پہنچ گئی تو آپ نے شام کے مختلف شہروں کا سفر اختیار کیا۔ دمشق میں محدث زماں خطیب ومؤرخ وقت قاسم بن مظفر بن عساکر (۶۲۹۔۷۲۳) کے بعض ماہر شاگردوں سے ملاقات ہوئی۔

عجیب لطیفہ یہ ہے کہ یہاں آپ نے فاطمہ بنت علی بن محمد التنوخیہ سے استفادہ کیا اور اپنی کتابوں میں جابجا ذکر کیا ہے کہ ان سے میں نے سب سے زیادہ استفادہ کیا اور وہ آپ کی وفات کے بعد کوئی بیس برس سے زیادہ تک زندہ رہے۔

اسی طرح آپ نے فاطمہ بنت محمد بن عبدالعادی مقدسیۃ (۷۲۲۔۸۰۳) سے کافی استفادہ کیا اور ان سے بہت سی کتابیں اور اجزاء پڑھیں۔ دمشق میں آپ نے ستر دن تک قیام کیا اور اس اثنا میں مختلف شیوخ سے استفادہ کرتے رہے اور نوجوانوں کو خود فائدہ پہنچاتے رہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ تقریباً سو مجلسوں سے زیادہ مجلسیں منعقد ہوئیں، جن میں سینکڑوں مسائل کا افادہ استفادہ ہوا۔ دمشق سے آپ نے بیت المقدس کا قصد کیا اور خلیل نحوی سے ملاقات کی۔ اس کے بعد رملہ سے گزر کر آپ غزہ پہنچے۔ اس زمانے میں قسطنطنیہ کے مشہور علمی

شہروں میں شمار ہوتا تھا۔

یہ وہ وقت تھا جب کہ اس یتیم کی علمی شہرت مصر سے نکل کر اسلامی ممالک کے چپہ چپہ پر پھیل چکی تھی۔ تمام ممالک کے مشہور علماء سے روابط اور مکاتبت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا جو بعد میں ''لمعاجم''، ''الفہارس'' اور ''الاثبات'' کے نام سے منظر عام پر آ چکا تھا۔

یہ کتابیں آج بھی علمائے سلف کی دیانت داری اور علمی احتیاط کا مرقع ہیں۔ ایک ایک فقرے سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ مسلمانوں میں ہمیشہ علم اور تعلیم کو عبادت کا مقام حاصل رہا۔ دین کا ایک اہم جز علم ہے اور مسلمانوں نے کبھی بھی اس جز کی تحصیل و تبلیغ میں کسلمندی سے کام نہیں لیا۔

روایت کی جانچ پڑتال، صحیح و سقم کی تمیز، کھرے اور کھوٹے میں تفریق علمائے سلف کے علمی کارناموں کی جان ہے، جس طرح دنیا میں رات دن، جھوٹ، افتراء اور اتہام کا بازار گرم رہتا ہے، جس طرح سڑکوں اور گزرگاہوں کے کناروں پر لاوارث بچے پڑے ملتے ہیں، ٹھیک اسی طرح علمی دنیا میں سینکڑوں مسائل سراسر جھوٹ، اتہام اور سراپا افتراء ہوتے ہیں۔ روایات وحکایات لاکھوں ایسے ہیں کہ جن کی اصلیت کا قطعاً کوئی پتا نہیں۔ اخبار و تاریخ کے بے شمار ایسے انبار ملتے ہیں جن میں جھوٹ کی آمیزش اس قدر زیادہ ہے کہ اس سے حقائق کا معلوم کرنا محال ہے۔ علماء زمانے اور علماء اسلام کا واضح امتیاز اسی مقام پر شروع ہوتا ہے اور جو ثبوت علماء اسلام نے علمی دیانت میں بہم پہنچایا ہے وہ کسی سے نہ بنا اور نہ بن سکے گا۔

علمائے اسلام نے اپنے شیوخ، ان کے تلامذہ، ان کے حالات، ان کے علم و عمل، عادات واطوار، ان کی تحقیقات ومرویات کی خوب چھان پھٹک کی اور ایسے قوانین، اصول اور قواعد ایجاد کیے کہ سچ کو جھوٹ سے، خبیث کو طیب سے، حقیقت کو حکایت سے بالکل علیحدہ کر کے صاف صاف پیش کر دیا۔

مذکورہ کتابیں یعنی معاجم، فہارس اور اثبات اس فن کی آخری کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں مصر کے اس دُرّ یتیم کی چند کتابیں شہرۂ آفاق کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ''المجمع المؤسس بالمعجم المفہرس'' خود آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دو جلدوں میں جامع ازہر قاہرہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور کتاب دو جلدوں میں موجود ہیں۔ یہ بظاہر مذکورہ کتاب کے علاوہ کوئی اور کتاب ہے جس کا نام ''المعجم المفہرس'' اس کے علاوہ ایک اور یادگار بھی ''فہرس المرویات'' کے نام سے مشہور ہے۔

دنیا کی اس زندگی میں حافظ ابن حجر کی اخلاقی اور معاشی تاریخ بھی علمائے اسلام کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ آپ کے مشہور معاصر ابن فہد مکی فرماتے ہیں کہ آپ طالب علمی کے زمانہ میں بھی لوگوں کے لیے باعث افادہ تھے۔ اور یہی ایک طالب علم کا اصلی جوہر ہے۔ طالب علمی کے دوران میں ایک طالب علم کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کا ادب، تواضع اور انکساری ہے۔ علم اور تکبر کا اجتماع محال ہے۔

کہتے ہیں کہ کسی عالم کے علم کی بلندی کا اندازہ لگانا ہو تو سب سے پہلے اس کے خصائل اور اخلاق کو دیکھو۔ عالم جتنا زیادہ متواضع ہوگا، اتنا ہی زیادہ اس کا علم بلند ہوگا اور جس قدر وہ متکبر اور خودسر ہوگا علم سے اسی قدر تہی دست ہوگا۔

اپنی مختصر زندگی میں ابن حجر نے ایک سو پچاس تصنیفات بطور یادگار چھوڑی ہیں جو احادیث نبویہ، ان کے اسانید، علمائے کبار کے اقوال، فنی تحقیقات، تراجم، روایت، حفاظ اور علمائے فن کے حالات وکوائف پر مشتمل ہیں۔ ایسی کتابوں کی تالیف میں جس قدر مواد، مہارت اور جس قدر تحقیق وکاوش درکار ہوتی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر کو بیس ہزار حدیثوں سے زیادہ یاد تھیں۔

آپ کے مترجمین نے اس دور کی تصریح کی ہے کہ آپ بیس سال تک بیبرس کے مدرسہ خانقاہ میں حدیث کا درس دیتے رہے اور ایک ہزار مجلسوں میں حدیث کی املا اپنی یادداشت سے کرائی۔ اس کے علاوہ آپ کا تعلق وہاں کے مشہور مدارسِ علوم حدیث سے بہت زیادہ تھا۔ مدرسہ جمالیہ، مدرسہ کاملیہ کا ذکر تو مشہور ہے مدرسہ حسینیہ میں آپ نے تفسیر کا درس فرمایا اور المدرسہ الخروبیۃ البدریہ میں آپ نے امام شافعی رحمہ اللہ کی فقہ کی تعلیم دی۔ اس کے علاوہ آپ نے مختلف فنون کا درس بھی ایک سے زائد مدارس میں دیا جو اپنے وقت میں مشہور درس گاہیں تھیں۔ مثلاً القبۃ

المنصوریہ، المحمودیہ، الشریفۃ الفخریہ، الشھونیہ، الصالحۃ النجمیہ، المؤئدیہ اور الصلاحیہ جو امام شافعی رحمہ اللہ کے جوار ہی میں تھا۔

حافظ ممدوح کے مشاغل صرف درس و تدریس کی حد تک محدود نہ تھے بلکہ آپ عملی سرگرمیوں میں بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ آپ قاضی اور مفتی بھی تھے اور ساتھ ساتھ مصر کی جامع مسجد کے بے نظیر خطیب بھی۔ اس کے علاوہ جو گھڑی فرصت کی ملتی، وہ مدرسہ محمودیہ کے قیمتی کتب خانے میں گزرتی اور ہمہ وقت غرق مطالعہ رہتے۔

حافظ صاحب کے زمانے میں احکام کی دو کتابیں بہت مشہور اور مصر کے بچہ بچہ کے زیر استعمال تھیں۔ پہلی کتاب چھوٹی اور مختصر حافظ عبدالغنی مقدسی کی تھی جس کو ''العمدۃ'' سے یاد کیا جاتا ہے۔ حافظ صاحب اس کو بچپن سے حفظ یاد کر چکے تھے۔ دوسری کتاب امام مجد الدین شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کے جد امجد کی تصنیف ''المنتقی فی احادیث الاحکام''۔ حافظ صاحب نے چاہا کہ احکام کے متعلق جس قدر احادیث وارد ہوئیں وہ سب ایک کتاب میں جمع کر دی جائیں تاکہ اس کے یاد کرنے میں آسانی رہے۔ چناں چہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے آپ نے اپنی مشہور تصنیف ''بلوغ المرام'' تصنیف فرمائی۔ آپ کی بہت بڑی تصنیف ''فتح الباری'' ہے۔ اس میں انہوں نے جس انصاف، رواداری اور علمی دیانت کا ثبوت دیا ہے، اس سے قدرتاً لوگوں میں اعتدال اور انصاف پسندی کی ایک انمول خصلت راسخ ہوگئی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی سب سے پہلی تصنیف فن حدیث میں ''تعلیق التعلیق'' ہے۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری کی وہ تمام حدیثیں جو صحیح بخاری میں تعلیقاً مذکور ہیں، ان کو وصلاً بیان کر دیا۔ یہ کتاب از ہر کے کتب خانے میں موجود ہے اور چھ جلدوں میں مؤلف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک مجلد میں موجود ہے۔ حافظ صاحب نے اس کو مختصر کر کے ''التشویق'' کے نام سے پیش کیا۔ پھر اور بھی مختصر کیا جو ''التوفیق بہ تعلیق التعلیق'' ہے۔ اس کے علاوہ فن حدیث میں آپ کی المطالب العالیہ فی الزوائد الثمانیہ اور تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمۃ الاربعہ اور تبصیر المنتبہ بتحریر المشتبہ مشہور ہیں۔ ایک اور نادر کتاب آپ کی ''اتحاف المھرہ باطراف العشرۃ'' ہے۔ تمام وہ حدیثیں جو کتب احادیث مشہورہ میں مدون ہو چکی ہیں، ان کی ایک فہرست ہے۔ اسی قسم کی ایک اور فہرست بھی ہے جو صرف امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ''مسند'' کی تمام احادیث کی فہرست ہے۔ اس کا نام ''المعتلی باطراف المسند الحنبلی''۔ فن تخریج میں بھی آپ کی کتابیں مشہور ہیں۔ مثلاً:

تخریج احادیث الاربعین۔ تخریج احادیث کتاب الاذکار للنووی۔ تخریج احادیث مختصر بن الحاجب فی الاصول، جو دو جلدوں میں ہے۔

تخریج احادیث الھدایہ فی فقہ الحنفیہ۔ التلخیص الجیر فی تخریج احادیث شرح الاجیز المرافعی الکبیر فی فقہ الشافعیہ۔

فن اصولِ حدیث میں آپ کی نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر اور اس کی شرح نزہۃ الفکر فی توضیح نخبۃ الفکر نہایت مشہور ہے اور آج درس نظامیہ کا ایک ضروری جزء ہے۔

تراجم روایت کا فن مسلمانوں کا ایک مخصوص فن ہے۔ جو دوسری کسی قوم میں موجود نہیں۔ حافظ ابن حجر کی کتاب اس فن میں اپنی نظیر آپ ہے۔ بارہ جلدوں میں حیدر آباد دکن سے ان کی کتاب ''تہذیب التہذیب'' چھپی۔ اس کتاب سے فائدہ یہ ہوا کہ شام کے مشہور محدث حافظ مزی کی کتاب ''تہذیب الکمال فی السماء الرجال'' میں جو کمی تھی وہ پوری ہوگئی۔ حافظ صاحب نے اس کی تلخیص کی جو ''نہایت التقریب'' سے مشہور ہوئی، اور بعد ازاں اس کو مختصر کر کے تقریب التہذیب کے نام سے پیش کیا۔

فن حدیث کے ساتھ جو حضرات وابستگی رکھتے ہیں وہ ان تین چار کتابوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ حافظ صاحب نے حافظ ذہبی کی ''میزان الاعتدال'' پر نظر ڈالی جو تین جلدوں میں تھی۔ بہت سی نئی چیزوں کو اس میں جگہ دے کر چھ جلدوں میں ''لسان المیز ان'' کے نام سے ایک نیا شاہکار پیش کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کو جب اپنے عظیم کام کے لیے ایک ایسی عظیم ہستی منظور تھی تو یہ بھی ضروری تھا کہ حدیث پاک کے جملہ فنون کی تکمیل بھی کر دی جائے۔ چناں چہ ایک اہم فن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ یعنی رواۃِ حدیث کے مکمل حالات، اوصاف اور تاریخ کا رہ جاتا تھا۔ حافظ صاحب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اندلس کے شیخ حافظ بن عبدالبر کی مشہور

تصنیف الاستیعاب اور ''اسد الغابہ'' ابن اثیر جزری کا مکمل مطالعہ کیا اور خوب تتبع اور تلاش کے بعد ایک کتاب پیش کی جو اس فن کی آخری کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب ''الاصابہ'' کے نام سے چار بڑی جلدوں میں ہے۔

چوں کہ آپ مصر کے قاضی بھی رہ چکے تھے۔ اس لیے آپ نے مصر کے قضاۃ پر ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام ''رفع الامر'' ہے۔ اسی طریقہ سے آپ نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ جس صدی میں آپ رہ چکے تھے اس قرن کے مشاہیر علماء کے حالات قلم بند کر دیئے جائیں۔ چناں چہ ''الدرالکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ'' وجود پذیر ہوئی۔ ایک اور نفیس کتاب ''انباء الغمر بابناء العمر'' کے نام سے مشہور ہے جو انہیں لوگوں کے حالات پر مشتمل ہے جو حافظ صاحب کے قران اور معاصر تھے۔ یہ کتاب چھپی نہیں۔ آج سے چوبیس سال پہلے جامع ازہر کے شیخ علامہ طاہر الجزائری ؒ نے اس کو دمشق میں دیکھا تھا۔ اس وقت حکومت سعودیہ کے کتب خانہ میں یہ کتاب ان کے نوادرات میں محفوظ ہے۔ کمال یہ ہے کہ کتاب حافظ ابن حجر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی مسودہ کی شکل میں ہے۔

علوم حدیث میں پختگی پیدا کرنے سے پیشتر حافظ کا میلان ادب، شعر گوئی اور بلاغت کی طرف تھا۔ آپ کی انتہائی کوشش تھی کہ آپ ان فنون میں کامل مہارت پیدا کر لیں لیکن جس کام کے لیے خدا نے آپ کو پیدا کیا تھا وہ آپ کی نظروں میں بچپن سے ہی بچ گیا تھا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کا رخ ہمیشہ کے لیے اسلامی علوم قرآن و حدیث کی طرف پھر گیا۔ لیکن چوں کہ فطرتاً صاحب ذوق تھے۔ آپ کے ادبی جواہرات شعر میں نہ ظاہر ہوتے تو نثر میں یقیناً ظاہر ہونے لگے۔ آپ کی بے نظیر تصنیف ''فتح الباری'' کی ایک ایک سطر اس پر گواہ ہے۔ حسب ذیل واقعہ آپ کے ذوق شعری پر شاہد ہے:

٨٢٠ھ کے اواخر میں جامع مسجد کے شمالی دروازوں پر ایک مینار بنایا گیا۔ یہ المؤید کا زمانہ تھا، اور اسی کے حکم سے یہ کام کیا گیا تھا۔ ابھی اس کو تعمیر کیے چند ہی روز گزرے تھے کہ مینار میں شگاف پڑ گیا۔ اس سے لوگوں میں اتنا اضطراب اور بے چینی پھیلی کہ لوگ مارے خوف کے منتشر ہونے لگے۔ یہ خبر جب بادشاہ المؤید کو پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ فوراً منارہ گرا دیا جائے۔ جب منارہ گرا دیا گیا تو لوگوں کی بے چینی فوراً دور ہو گئی۔

حافظ ابن حجر کو یہ اطلاع پہنچی تو آپ نے ایک مرتجلاً رباعی کہی:

لجامع مولانا المؤید رونق
منارته بالحسن تزهو با الزين

سرکار مؤید کی جامع مسجد سراپا رونق ہے اور اس کا منار حسن کی زینت سے جگمگا رہا ہے۔

تقول وتدمالت عن القصد امهلوا
فليس على جسمي اضرمن العين

جب منارہ گرنے لگا تو چیخ اٹھا کہ لوگو ٹھہر جاؤ! میرے جسم پر ''چشم بد'' کے علاوہ کوئی چیز زیادہ تکلیف دینے والی نہیں ہے۔

اس موقعہ پر لفظ عین کو ملاحظہ فرمائیے کہ اس نے عجیب لطف پیدا کر دیا ہے لیکن اس کی اطلاع جب حافظ ابن حجر کے مشہور معاصر علامہ حافظ بدر الدین عینی کو پہنچی تو انہوں نے اس کو تعریض پر محمول کیا اور سمجھا کہ حافظ کی لفظ عین سے تعریضاً مراد عینی ہے۔ چناں چہ علامہ بدر الدین عینی نے اس کا جواب ذیل کے دو شعروں میں پیش کیا۔ اشعار کا زور ملاحظہ فرمائیے۔

منارة كعروس الحسن از جليت
وهدمها بقضأ اللّٰه والقدر

منارہ کا حسن ایک حسین دلہن کی طرح ہے جب کہ وہ جلوہ گر ہوتی ہے اور منارہ گرنے کا سبب بجز قضائے الٰہی اور تقدیر ایزدی کے اور کچھ نہیں۔

قالوا صيب بعين قلت زا غلط
ما اوجب الهدم الاخسته الحجر

لوگ کہتے ہیں کہ منارہ کا گرنا ''چشم بد'' کا نتیجہ ہے۔ ان کا یہ کہنا بالکل غلط ہے۔ بلکہ اس ہدم کا واحد سبب ''پتھر کی کہنگی'' اور اس کی ''خستہ حالی'' ہے۔

آہ! علم دین کا یہ آفتاب اسی سال تک اس دنیا میں اپنی نورانی شعاعیں بکھیرنے کے بعد ٢٨ ذی الحجہ مطابق ٨٥٢ء کو ہفتہ کے روز ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

نقطۂ نظر

شرعی وخودساختہ نظامِ عدل کا جائزہ

عطامحمد جنجوعہ

عدل کے لغوی معنی انصاف کے ہیں۔شریعت کی اصطلاح میں حقوق اللہ اورحقوق العباد کوادا کرنے کا نام عدل ہے۔امام الانبیاء ﷺ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے رنگ ونسل، زبان اور مذہب کا امتیاز کیے بغیر عدل وانصاف کے میزان کو برقرار رکھا۔اللہ کے نظامِ عدل سے متاثر ہوکر بے شمار لوگ اسلام کی نعمت سے مالا مال ہوئے۔خلفائے راشدین کے بعد خلافت علیٰ منہاج نبوت کے عدالتی اوصاف تدریجی انداز سے زوال پذیر ہوئے۔تاہم عوام کی عزت، جان اور مال کو تحفظ حاصل رہا۔اگر کوئی شخص طاقت کے نشہ میں سرشار ہوکر ظلم وتعدی پر اُتر آ تا تو خلیفہ وقت اُسے عبرت ناک سزا دیتا۔

عباسی دورخلافت میں ایک مؤذن کپڑے سی کر روزی کماتا تھا۔اس کی گلی میں ترک امیر کا گھر تھا۔ایک دن شام کے وقت ترک مدہوشی میں ایک عورت کو زبردستی کھینچ رہا تھا۔وہ عورت فریاد کررہی تھی۔

مؤذن نے چند ساتھیوں کی مدد سے مزاحمت کی لیکن اُس کے غلاموں نے زدوکوب کرکے بھگا دیا، مناسب غور وفکر کے بعد منارہ پر چڑھ کر بے وقت اذان دی، ترک نے اُسے فجر کی اذان سمجھ کرعورت کو گھر سے نکال دیا۔خلیفہ معتصم باللہ جاگ اٹھا۔خلیفہ کے آدمی مؤذن کو پکڑ کر لے گئے تو اُس نے خلیفہ کو سارا واقعہ سنایا۔واقعہ سن کر خلیفہ نے اُسی وقت سوآدمی روانہ کیے جوفوراً اُسے گرفتار کرکے لے آئے، تو اُس سے غضب ناک ہوکر خلیفہ معتصم نے کہا۔

میرا عہد اور دین داری میں یہ خلل؟ کیا میں وہی نہیں ہوں جس نے روم کے لشکر کو مار بھگایا۔قیصر کو شکست دی، آج میرے عدل ودبدبے کے باعث بھیڑ اور بھیڑیا ایک جگہ پانی پی رہے ہیں، تجھے یہ جرأت کیوں کر ہوئی کہ تو ایک عورت کو زبردستی پکڑے؟ لوگ تجھے نیک عملی کی تلقین کریں اور تو اُن کو زدوکوب کرے؟ اس کے بعد اس امیر کو ایک بورے میں ڈالا گیا، کس کر باندھ دیا گیا، پھر لاٹھیاں مار مار کر اس کی ہڈیاں چورہ چورہ کردی گئیں پھر اس بورے کو دجلہ میں پھینک دیا گیا۔''

[ماخوذ، اللہ کا نظام عدل، ص:۶۲۱، ازمولانا حمید عباسی]

بلاشبہ وہ حکومت کے باغیوں کے مقابلے میں نرمی روانہ رکھتے تھے لیکن وہ عام رعایا کے لیے عادل تھے۔خلافت اسلامیہ کے دور میں چندمختارمسلم ریاستیں قائم ہوئیں۔تاہم اُن کی عدالتوں میں بھی اسلامی قانون نافذ تھا۔البتہ یورپی اقوام جن جن مسلم ریاستوں پر قابض ہوئے، انہوں نے شرعی نظام عدل کو درہم برہم کردیا اور اس کے متبادل خودساختہ نظامِ عدل نافذ کیا۔سیدمودودی رحمہ اللہ اعتراف کیا ہے:

''اسلامی شریعت کی تنسیخ کا سلسلہ سب سے پہلے ہندوستان میں شروع ہوا، جہاں انگریز تسلط کے بعد بھی ایک مدت تک شریعت ہی کو قانون کی حیثیت حاصل تھی۔چناں چہ ۱۷۹۱ء تک اس ملک میں چور کا ہاتھ کاٹا جاتا تھا مگر اس کے بعد انگریز حکومت نے بتدریج اسلامی قوانین کو دوسرے قوانین سے بدلنا شروع کیا یہاں تک کہ انیسویں صدی کے وسط تک پہنچتے پہنچتے پوری شریعت منسوخ ہوگئی اس کا صرف وہ حصہ مسلمانوں کے پرسنل لاء کی حیثیت سے باقی رہنے دیا گیا جو نکاح، طلاق وغیرہ کے مسائل سے متعلق تھا۔مصری حکومت نے ۱۸۷۴ء میں اپنے قانونی نظام کو فرنچ کوڈ کے مطابق بدل لیا اور محض نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ کے مسائل قاضیوں کے دائرہ اختیار میں چھوڑ دیئے گئے۔اس کے بعد ترکی اور البانیہ نے ایک قدم آگے بڑھا کر مسلمانوں کے پرسنل لاء میں بھی وہ کھلی کھلی تحریفات کرڈالیں جن کی جرأت کوئی مسلم حکومت بھی نہ کرسکی تھی'' سید صاحب رحمہ اللہ اس کے بعد لکھتے ہیں:

''اب صرف افغانستان اور سعودی عرب، دو ہی ملک دنیا میں ایسے رہ گئے ہیں جہاں شریعت کو ملکی قانون کی حیثیت حاصل ہے اگر چہ شریعت کی روح وہاں سے بھی غائب ہے۔''

[تحریک آزادی ہند اور مسلمان حصہ دوئم، ص: ۳۳۷]

افغانستان میں رائج شرعی نظام صہیونی تنظیم کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ امریکہ نے نائن الیون کا بہانہ تراش کر افغانستان پر حملہ کر دیا۔ کابل پر قابض ہو کر اسلام کے معاشی، سیاسی اور عدالتی نظامِ عدل کو درہم برہم کر دیا اور اس کے متبادل سیکولر نظام نافذ کر دیا۔ افغانستان سے ملحقہ پاکستان کی ریاست سوات میں شرعی نظام عدل کی روح باقی تھی۔

محترم حنیف خالد سیاسی ایڈیشن میں لکھتے ہیں:

''وادی سوات کے عوام ہمیشہ سے شرعی نظامِ عدل کے تحت زندگیاں گزارتے رہے ہیں۔ ۱۹۹۶ء میں چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر یحییٰ خان کے دور میں مذاکرات کے بعد والی ریاست نے اپنی ریاست کا پاکستان سے الحاق کر دیا۔ تو اس معاہدہ کی بنیادی شق بھی یہی تھی کہ پاکستان سے الحاق کے بعد بھی وادئ سوات میں صدیوں سے جاری شرعی نظامِ عدل جاری رکھا جائے گا۔

صوبہ سرحد کی سیف اللہ فیملی کے چشم و چراغ اور فیلڈ مارشل ایوب خان کے قریبی رشتہ دار سابق وفاقی وزیر سلیم سیف اللہ خان نے سوات میں نفاذ شریعت محمدی کے متعلق حکومت اور تحریک کے معاہدے کی تفصیلات بتائیں۔ اُن کا کہنا تھا ریاست سوات جو آج کے نصف درجن کے لگ بھگ اضلاع پر مشتمل ہے، ایوبی دور میں خود مختار ریاست تھی۔ ایوب خان نے اسب، چترال، دیر کی ریاستوں کا الحاق پاکستان کے ساتھ کرالیا تھا۔

یحییٰ خان کے دور میں ۷۰-۱۹۶۹ء میں والی ریاست گل جہاں زیب نے آخری ریاست سوات کا الحاق پاکستان کے ساتھ کیا۔ الحاق معاہدہ میں درج تھا کہ صدیوں سے ریاست سوات میں رائج قرآن وسنت کا جو شرعی نظام چلا آ رہا ہے۔ وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کے باوجود ریاست سوات میں مسلسل نافذ رکھا جائے گا۔

سلیم سیف اللہ کے مطابق پاکستان کے ساتھ الحاق تک، سوات میں جرائم نہ ہونے کے برابر تھے۔ قتل کی واردات تو ڈھونڈے سے بھی نہ ملتی تھی۔ صدیوں سے غیر منقسم ہندوستان اور دوسرے ممالک کے سیاح سوات آیا جایا کرتے تھے۔ سوات میں ہر ایک کی جان و مال محفوظ تھے۔ سوات کے والی کے صوبیدار انکم ٹیکس کی بجائے اسلامی نظام کے مطابق سالانہ اڑھائی فی صد زکوٰۃ، اراضی اور باغات کی پیداوار کا دسواں حصہ (عشر) وصول کرتے تھے، اس آمدنی سے ریاست سوات میں سڑکیں، پل اور دوسری مقامی ضروریات کا انفراسٹرکچر بنایا جاتا تھا۔ لوگ خوش حال تھے۔ وادئ سوات کی حدود میں نہ صرف لڑکوں کے بلکہ لڑکیوں کے سکول بطریق احسن کام کیا کرتے تھے۔ کوئی انتہا پسند و دہشت گرد نہ تھا۔ مگر آہستہ آہستہ انگریز کا قانون نافذ ہونے سے جب وہاں کے لوگوں کو پاکستان کے باقی حصوں کی طرح انصاف ملنا مشکل ہو گیا تو ناانصافی کے شکار سوات کے لوگوں نے قانون ہاتھ میں لینا شروع کیا۔ سلیم سیف اللہ نے معاہدے پر حکومت اور تحریک کے لیڈروں کو مبارک باد دی۔

[روزنامہ جنگ ۲۰۰۹ء]

صیہونی چیلوں نے سوات میں دہشت گرد کارروائیاں کر کے مقامی آبادی کو مزاحمت کرنے پر مجبور کر دیا۔ پاک فوج کو حکومتی رٹ بحال کرنے کے لیے آپریشن کرنا پڑا۔ ۲۵ لاکھ سے زیادہ مقامی آبادی کو نقل مکانی کرنی پڑی۔ اس طرح شرعی نظامِ عدل کا معاہدہ دفن ہو کر رہ گیا اور مستقبل میں سیکولر نظام رائج کرنے کی راہ ہموار ہو گئی۔

صہیونی تنظیم کی منشا ہے کہ اُن کی نئی نسل تو اپنے مذہب سے والہانہ رہے لیکن غیر یہودی ملحد ہو کر دینی حمیت سے محروم ہو جائیں۔ صیہونی تھنک ٹینک نے ہیومنزم کو متعارف کرایا کہ انسان اپنا خدا خود ہے، وہ اپنی زندگی کے فیصلے کرنے میں خود مختار اور آزاد ہے۔ کوئی آسمانی ہستی ایسی نہیں جس کی اطاعت انسان پر فرض ہو۔ چوں کہ یہ نظریہ مذہب سے صریح متصادم تھا۔ اس کو خاطر خواہ پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔ چناں چہ ہیومنزم کے ردّعمل میں سیکولرازم کا نظریہ پیش کیا گیا کہ اگر کوئی خدا کو ماننا چاہتا ہے تو اپنی پرائیویٹ زندگی میں مان لے، لیکن

معاشرہ اور ریاست کے اجتماعی امور میں خدائی ہدایات کا عمل دخل نہیں ہونا چاہیے۔

اہل مغرب میں سیکولر نظریہ کے پرچار کے لیے آزادی، مساوات اور اخوت کے نعروں کی گونج قریہ قریہ پہنچ گئی۔ انہوں نے نہ صرف ملکی قانون اور بین الاقوامی ضابطوں کو سیکولر بنیاد پر استوار کیا بلکہ وہ دنیا بھر خصوصاً مسلم دنیا میں نافذ کرنے کے لیے سرگرم عمل ہو گئے۔ یورپی اقوام نے مسلم دنیا پر تسلط کے دوران سیکولر نظامِ عدل رائج کیا۔ انہوں نے بعض مسلم لیڈروں کو اس حد تک ہم نوا بنا لیا، جو نفاذِ شریعت کے طریقہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فخریہ انداز میں جواب دیتے ہیں کہ ہم صرف اُس قانون کو شریعت مانتے ہیں جس کو عوام کا منتخب ادارہ منظور کرے۔ یہ سیکولر نظام کی عکاسی نہیں تو اور کیا ہے؟

جس وقت اہل سوات نے شرعی نظام کی بحالی کا مطالبہ کیا تو اُس وقت ممکنہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں پاکستان کے دیگر حصوں میں شرعی عدل کی تحریک مقبولیت حاصل نہ کر جائے۔ اس دوران پاکستان میں خود ساختہ نظامِ عدل کی آزادی کی تحریک میں شدت آ گئی اور لانگ مارچ تک نوبت پہنچ گئی۔ عوام نے سڑکوں پر نکل کر دل کا غبار نکال لیا۔ حکومت نے ۱۵ مارچ ۲۰۰۹ء کی شب، ملک میں آزاد عدلیہ کے حکام اور افتخار محمد چوہدری کی بحالی کا اعلان کر دیا۔ عوام عدل کے نام پر قربانیاں دے کر مطمئن ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام ڈرون حملوں کے خلاف احتجاج کے لیے سڑکوں پر آنے کے لیے قطعاً تیار نہیں۔

میڈیا کے مطابق فیصل آباد کرائم میں پہلے نمبر پر رہا۔ جہاں ۵ ماہ میں ۱۲۵۹۶ مقدمات درج ہوئے۔ مزید وضاحت سے لکھا ہے کہ ایک سال کے دوران قتل کے ۲۰۴ مقدمات، اقدامِ قتل کے ۲۱۸، زیادتی کے ۶۴، نقب زنی کے ۳۲۹ مقدمات درج ہوئے۔ [روزنامہ ایکسپریس ۲۰۰۹ء]

توجہ طلب پہلو یہ ہے کہ خود ساختہ نظامِ عدل کی آزادی اور چیف جسٹس کی بحالی کا عوام کو کیا ریلیف ملا۔ سکول جانے والی بچیوں سے گینگ ریپ کے واقعات، خرکاروں کے ہاتھوں بچوں کا اغواء، معمولی تنازعہ پر قتل و غارت کی نوبت، دن دیہاڑے ڈاکے اور رات کو نقب زنی کی وارداتیں روز مرہ زندگی کا معمول بن چکے ہیں۔ ان میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوئی بلکہ پہلے کی نسبت اضافہ جاری ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ خود ساختہ نظامِ عدل کے قوانین، جرائم کی شرح کو کم کرنے سے قاصر ہیں کیوں کہ خود ساختہ عدل کی بنیاد سیکولر نظریہ پر ہے کہ انسان خود خیر و شر میں تمیز کر سکتا ہے۔ اسے معاشرہ اور ریاستی قوانین وضع کرنے کے لیے کسی آسمانی ہدایت کی ضرورت نہیں۔

باعث تعجب ہے کہ اگر انسان خیر و شر میں خود تمیز کر سکتا تو دوسروں کے حقوق غصب کرنے کے واقعات قطعاً رونما نہ ہوتے۔ وہ معصوم بچیوں سے درندگی کا مظاہرہ نہ کرتا، ننھے منھے پھولوں کو ماں کی شفقت اور تعلیم کے زیور سے محروم کر کے خرکاری کے کام میں نہ لگاتا۔ چند ایکڑ وراثتی زمین کی حرص میں اپنے بھائی کا گلا نہ گھونٹ دیتا اور اپنی بہن کی شادی قرآن سے نہ کرتا، بوڑھے والدین کی خدمت سے جی چرا کر ان کو اولڈ ہاؤس نہ منتقل کرتا۔ اگر انسان خیر و شر میں بخوبی ادراک کر سکتا تو رشتے ناطے طے کرنے کے بعد طلاق کی نوبت نہ آتی۔ جرائم کا ارتکاب کر کے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں پاگل نہ ہوتا۔ اگر تمیز کرنے پر ہمہ وقت قادر نہیں تو شر کی روک تھام کے لیے پائیدار قوانین کیسے وضع کر سکتا ہے۔ اگر وہ خود بنائے گا تو یقیناً اس میں ذات، برادری اور جماعتی مفاد کو ترجیح دے گا۔

ماں اپنے بچوں کی پرورش اور نگہداشت میں محتاط رویہ اختیار کرتی ہے۔ معصوم بچہ دہکتے کوئلوں کی طرف لپکے، آفتاب کی تپش یا تاریک آندھی میں گھر کی چار دیواری سے نکلنے کے لیے اصرار کرے تو شفیق ماں بچے کو زدو کوب کرتی ہے۔ اس مار کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ بچے کو مستقبل میں کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔ اس زدو کوب کو دیکھ کر دوسرے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ خالق کائنات نے انسان کو تخلیق کیا تو اُس کو شر کے امور سے بچانے اور خیر کا راستہ دکھانے کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ رشد و ہدایت کے ضابطے آسمانی کتب و صحائف کی صورت میں نازل کیے۔

اگر کوئی شیطانی بہکاوے میں آ کر جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو ماں سے ستر گنا زیادہ رحیم و کریم نے جرائم کے سد باب کے لیے سزاؤں کا

تعین کر دیا تا کہ عارضی زندگی میں سزا بھگت کر آخرت کے دائمی عذاب سے بچ جائیں۔ سزا کا مظاہرہ دیکھ کر دوسرے خود بخود عبرت حاصل کریں۔ کسی کو دوسروں کے حقوق پامال کرنے کی جرأت نہ ہو۔ شرعی نظامِ عدل سے معاشرہ میں امیر، غریب کی عزت، جان اور مال کو تحفظ حاصل ہوتا ہے۔

اس وقت سعودی عرب میں اسلامی نظامِ عدل کی حکمرانی ہے۔ برطانوی سروے کے مطابق سعودی شہری، دنیا میں زیادہ مطمئن اور یہاں کا معاشرہ سب سے زیادہ پرامن تسلیم کیا گیا۔ دیگر مسلم ممالک میں خود ساختہ نظامِ عدل رائج ہے۔ وہاں ہر سال پہلے کی نسبت جرائم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ تحریک انصاف کے سربراہ نے اعتراف کیا ہے:

''سوات کے لوگوں کو قاضی عدالتوں سے انصاف ملتا تھا وہ اس سے مطمئن تھے، مگر ۱۹۷۴ء میں اسے پاکستانی قوانین اور عدالتی نظام سے تبدیل کر دیا گیا، مصدقہ اطلاعات کے مطابق ۱۹۷۴ء تک قتل کی وارداتیں صرف ۱۰ ہوئیں، جو ۱۹۷۴ء میں ہی ۷۰۰ تک جا پہنچیں۔'' [روزنامہ جنگ ۲۰۰۹ء]

شرعی نظامِ عدل کی اساس تقویٰ پر ہے۔ ربّ کا ارشاد ہے:

﴿ اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى ﴾ [المائدة: ۸]

''عدل کرو کہ یہی تقویٰ کے قریب تر ہے۔''

متقی روزِ محشر اللہ کے سامنے جواب دہی کے خوف سے انصاف کا دامن تھامے گا۔ وہ رنگ، زبان، نسل، وطن اور مذہب و مسلک کی بنیاد پر کسی سے امتیازی سلوک نہ کرے گا۔ تقویٰ ہی عدل کے دونوں پلڑوں کے توازن کو برقرار رکھنے کا فطری نظام ہے جس کی روح دین اسلام ہے۔

خاندان، معاشرہ اور رہائشی اُمور میں باہمی تنازعوں کا رونما ہونا فطری امر ہے۔

اللہ سبحانہ نے اس کے حل کے لیے نسخہ بیان فرمایا ہے:

﴿ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِىۡ شَىۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ ﴾

''پھر آپس میں کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اُسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف پھیرو۔'' [النساء: ۵۹]

مفسرین کا اتفاق ہے کہ کوئی بھی دینی یا دنیاوی جھگڑا ہو تو اس کا فیصلہ اللہ سے، یعنی اس کی کتاب قرآنِ مجید یا رسول یعنی اس کی نسبت احادیث کے موافق کرانا ہے۔ جب شرعی قوانین کا ماخذ کتاب و سنت ہو، تقویٰ جس کی بنیاد ہو تو اُس معاشرہ میں ریاست میں جرائم کی شرح کم ہو جاتی ہے۔

خود ساختہ عوامی نظامِ عدل دراصل خواہشاتِ نفسانی کا ایجنڈا ہوتا ہے۔ عوامی حکومت کے دور میں حکمران پارٹی اپنے سپورٹران کو انتظامی وعدالتی عہدوں پر فائز کرتی ہے۔ جو فرائض منصبی کے دوران عدل وانصاف کی بجائے پارٹی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ علاقہ کے ناظم، قومی وصوبائی اسمبلی کے ممبران انتخابی معاونین کو سرکاری گرانٹ سے مالی سپورٹ اور دیگر مراعات سے نوازتے ہیں اور اپنے ووٹران کے ہر قسم کے جائز وناجائز معاملات ومقدمات میں سرکاری اثر ورسوخ استعمال کرتے ہیں۔ چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، اُن کے ذہنوں پر عوامی وسیاسی مفاد کا بھوت سوار ہوتا ہے کہ آئندہ الیکشن میں کامیابی کے امکانات روشن ہو جائیں۔

اللہ ذوالجلال نے نبی مکرم ﷺ کو مخاطب کر کے مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے۔

﴿ وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ وَاحۡذَرۡهُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ ﴾ [المائدة]

''اور کہ تم اس کے موافق حکم کرو جو اللہ نے اتارا ہے اور اُن کی خواہشوں کی پیروی نہ کر اور اُن سے بچتا رہ کہ تجھے کسی ایسے حکم سے بہکا نہ دیں جو اللہ نے تیری طرف اُتارا ہے۔''

آہ! ہم سیاسی مفاد کی خاطر ربّ کریم کی ہدایت کو فراموش کر چکے ہیں۔ خود ساختہ نظامِ عدل میں چشم دید، عموماً حقائق کے برعکس رپورٹ، پے در پے تاریخوں میں پیشی اور ظالموں کی جلد رہائی پر عدمِ تحفظ کے

خوف سے گواہ بننے سے جی چراتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے سو جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وکیلوں کی جرح کے دوران فرضی گواہوں کی شہادت کی قلعی کھل جاتی ہے۔ ملزم پر جرم کی نوعیت شبہ میں پڑ جاتی ہے۔ شرعی نظام آسان اور سادہ ہوتا ہے۔ جائے واردات پر موجود دوست دشمن گواہی دینے کو اخلاقی فریضہ سمجھتے ہیں۔ عدالتی کارروائی میں مجرم کو قرار واقعی سزا مل جاتی ہے۔

تقویٰ کی دولت سے محروم بعض قانونی معاونین اصل حقائق سے آگاہ ہونے کے باوجود قاتلوں، چوروں، لٹیروں اور غاصبوں کی اعانت کرتے ہیں۔ اُن کو بے قصور ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ لیکن شرعی نظام میں جائز معاملات میں تو سفارش اور اعانت کی گنجائش ہے، لیکن ظالم کی سفارش یا اعانت کرنا ممنوع (حرام) ہے۔

خاندان کے ازدواجی اور وراثتی معاملات نازک اور پیچیدہ ہوتے ہیں۔ چوں کہ خود ساختہ نظامِ عدل میں سرکاری دستاویزات کی روشنی میں فیصلے صادر کرتے ہیں۔ زبانی معاہدوں کا احترام نہیں کیا جاتا۔ اس لیے خاندانوں میں کدورت اور عداوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ شرعی نظامِ عدل میں حکم ہے کہ رشتہ داروں کے مقدمات اُن میں ہی واپس کردو تا کہ ثالثوں کی مدد سے آپس میں صلح کی صورت نکال لیں۔ چناں چہ مقامی ثالث مدعی، مدعا علیہ اور گواہوں کے بیان سن کر دلائل و براہین کی روشنی میں ملزم پر فردِ جرم ثابت کرتے ہیں یا بے قصور۔ اسی طرح جائیداد میں کسی کا حق ظاہر کرتے ہیں اور دوسرے کو محروم، اس لیے ثالثی فیصلوں میں صلح کی گنجائش نکل آتی ہے۔ بصورت دیگر دلائل پر مبنی فیصلہ سن کر انتقامی جذبہ تو پیدا نہیں ہوتا۔

شرعی نظام میں مفرور ملزموں کا تعاقب اور گرفتار کر کے قاضی کے سامنے پیش کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ جرم ثابت ہونے پر قاضی یا امیر اسے معاف نہیں دے سکتے۔ معافی کا اختیار صرف مدعی کے پاس ہوتا ہے۔ جب کہ خود ساختہ نظامِ عدل میں ملزموں کو نامزد کرنا، مفرور ہونے کی صورت میں تلاش کرنا۔ گرفتاری کے لیے انتظامیہ کا خرچہ برداشت کرنا مدعی کے ذمہ ہوتا ہے۔

عدالتی کارروائی میں سالہا سال تاریخوں کے دوران گواہوں کو پیش کرنے کا خرچہ، وکیلوں کی بھاری فیس پر بے تحاشا روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ عموماً مقتول کے ورثاء کو قیمتی اثاثہ نیلام کرنا پڑتا ہے۔ اگر قانونی کارروائی میں ملزم بری ہو جاتا ہے تو مقتول کے ورثاء کی جان کو خطرہ لاحق ہوتا ہے، اس لیے وہ قانون کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ عدالتی کارروائی میں قاتل کو پھانسی کی سزا ملتی ہے۔ بعض اوقات رحم کی اپیل پر اسے معافی مل جاتی ہے۔ اسی قسم کا ایک واقعہ ہے کہ سات افراد کے قاتل کو جس رات پھانسی کی سزا ملنی تھی، حکومت کے سربراہ کی حلف برداری کی تقریب کی رعایت سے اس کی سزا عمر قید میں تبدیل ہوگئی، وہ چند سال جیل کی سزا کاٹ کر گھر آ گیا۔ خود ساختہ نظامِ عدل کے طریقہ کار سے جرائم پیشہ افراد کو شہ ملتی ہے۔ معاشرہ میں عزت جان و مال کا تحفظ غیر یقینی بن جاتا ہے۔ ریاست میں بدامنی اور بے چینی بڑھ جاتی ہے۔ حکومت غیر ملکیوں کو طرح طرح کی سہولتوں کی پیش کش بھی کرے لیکن وہ سرمایہ کاری کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔

سعودی عرب میں شرعی نظامِ عدل رائج ہے، وہاں مقیم ایک پاکستانی کی غیر موجودگی میں کسی نے اس کی بیوی کو قتل کر دیا۔ فوری طور پر قاتل کا سراغ نہ مل سکا، لیکن سعودی پولیس از خود ملزم کو تلاش کرتی رہی۔

عرصہ تین سال بعد پولیس نے مذکورہ پاکستانی سے رابطہ کیا کہ آپ کی بیوی کا قاتل مل گیا ہے۔ مقررہ تاریخ پر قاضی نے اسے مخاطب ہو کر کہا ”تیری بیوی کا قاتل سامنے کھڑا ہے۔ اس نے تیرا گھر اُجاڑا ہے۔ چوں کہ قاتل کی بہن بالغ ہے، حکومت نے ان کو آمادہ کر لیا ہے۔ قاضی نے باہمی رضامندی سے نکاح کر کے اس کے گھر کو آباد کیا، اس کے بعد قاضی نے حکم صادر کیا۔ آپ چاہیں تو قاتل سے قصاص لیں، دیت پر راضی ہوں یا اسے معاف کر دیں۔ اس نے ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد قاتل کو معاف کر دیا۔ قاضی نے نہایت حکمت عملی سے شرعی تقاضے پورے کر کے دو خاندانوں کے مابین انتقامی جذبہ کو پر امن اور خوشگوار ماحول میں تبدیل کر دیا۔

شرعی نظامِ عدل کا طریقہ کار پیچیدہ اور مشکل نہیں ہوتا۔ عدالتی کارروائی قومی زبان میں ہوتی ہے۔ انصاف مفت اور جلد حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برطانیہ میں غیر مسلموں کا شرعی عدالتوں کی طرف رجحان بڑھ رہا ہے۔

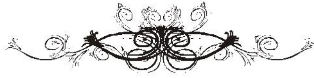
(لندن) برطانیہ میں قائم ۸۵ کے قریب شرعی عدالتوں کے خلاف ذرائع ابلاغ کے پروپیگنڈہ کے باوجود، مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کی بھی بڑی تعداد ان عدالتوں سے رجوع کر رہی ہے۔ یہی بات برطانوی اخبار دی ٹائمز نے اپنی ایک رپورٹ میں کہی ہے کہ ان عدالتوں میں آنے والے مقدمات کے پانچ فیصد فریقین مسلمان نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان عدالتوں کا طریقہ کار برطانوی عدالتوں سے کہیں زیادہ آسان اور سادہ ہے۔'' [روزنامہ ایکسپریس، سرگودھا ۲۰۰۹ء]

برطانیہ جیسے صلیبی ملک نے مسلم شہریوں کے حقوق کا احترام کرتے ہوئے شرعی عدالتیں قائم کی ہوئی ہیں۔ اس کے برعکس والی سوات نے پاکستان سے الحاق کرتے ہوئے شرعی نظامِ عدل بدستور بحال رکھنے کا عہد لیا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد حکومت نے حیلے بہانے تراش کر معاہدہ کو سبوتاژ کر دیا۔ پاکستان میں حدود وقیود کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والوں کو انتہا پسند پکارا جاتا ہے جب کہ برطانیہ میں امن وامان قائم کرنے کے لیے پاکستانی نژاد سکالر نے حکومت کو شرعی حدود قائم کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

''لندن، برطانیہ میں اسلامی شرعی کونسل کے سیکرٹری ڈاکٹر صہیب حسن نے کہا ہے کہ برطانیہ میں اسلامی ضابطہ تعزیرات کے تحت سزائیں دینے سے ملک میں مزید امن واستحکام آ سکتا ہے۔ برطانیہ میں سب سے بڑی عدالت کے بانی ڈاکٹر صہیب حسن نے برطانوی روزنامے دی ٹائمز کو دیئے گئے انٹرویو میں کہا کہ اگر برطانیہ میں چوری کی سزا کے طور پر ہاتھ کاٹنے کا قانون نافذ کر دیا جائے تو برطانیہ نہ صرف محفوظ بلکہ بہتر جگہ بن جائے گا۔ مزید تجویز دی کہ اگر اس قسم کے جرائم میں سزائیں سخت کر دی جائیں تو لوگ اس کے خوف سے جرائم کی طرف راغب نہیں ہوں گے۔ [روزنامہ اسلام، لاہور ۲۰۰۹ء]

حکومت برطانیہ نے اس تجویز کا خیر مقدم کیا اور غور کر رہی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ کسی فرد واحد نے قانون بنایا یا عوام نے مل کر خود ساختہ نظام عدل وضع کیا اُن کے نفاذ سے جرائم کی شرح میں پہلے کی نسبت اضافہ ہوا ہے۔ خالق کائنات کا نازل کردہ نظام جہاں جہاں نافذ ہوا وہاں بھیڑ اور بھیڑیا ایک ساتھ پانی پیتے رہے۔ شرعی نظامِ عدل ہر شہری کی جان ومال اور عزت کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ علماء کا فرض منصبی ہے کہ وہ معاشرہ میں بگاڑ کی اصلاح کے لیے خشیت الٰہی اور فکر آخرت کے اوصافِ حمیدہ کو اجاگر کریں۔ دوسری طرف حکومت کو شرعی نظامِ عدل کی برکات سے آگاہ کریں۔ عوام الناس کو ترغیب دیں کہ وہ ابتدائی نوعیت کے خاندانی اور وراثتی تنازعات کے حل کے لیے اپنے علاقہ کے مستند مفتی صاحبان سے رجوع کریں تاکہ اس کے مفید ثمرات دیکھ کر عوام فوجداری مقدمات کے فیصلوں کے لیے حکومت سے شرعی نظام عدل کے نفاذ کے لیے دباؤ ڈالیں۔



بقیہ: چہرے کا پردہ

علاوہ ازیں کسی مسلم معاشرے میں غیر مسلم خواتین بھی ہوتی ہیں جو اپنے چہرے کو نہیں چھپاتیں۔ اسی طرح ایک مسلمان معاشرے میں کئی ایسے مقامات ہیں کہ جہاں عورت کو ضرورت کے تحت اپنا چہرہ یا بعض دوسرے اعضاء کھولنے پڑتے ہیں مثلاً کسی ہسپتال میں ڈاکٹر کے سامنے یا کسی عدالت میں قاضی کے سامنے گواہی کے لیے، یا کسی جنگ کے دوران میدانِ جنگ میں۔

اسی طرح ایک باپردہ خاتون کو بیسیوں ایسے مواقع پیش آتے ہیں کہ جن میں اس کے چہرے یا بعض دوسرے اعضاء کا ستر بغیر کسی ارادے کے جسم کی کسی حرکت کی وجہ سے یا ہوا کی حرکت سے یا گود میں اٹھائے ہوئے بچے کو سنبھالتے ہوئے کھل جاتا ہے تو یہ تمام مقامات بھی ''غض بصر'' اور اس مفہوم کی احادیث میں شامل ہیں۔

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

مولانا عبدالوہاب محدث دہلوی اور ان کا خاندان

مصنف: **محمد رمضان یوسف سلفی (فیصل آباد)**

ضخامت: **۴۹۶صفحات**

خصوصیات: **عمدہ طباعت، بہترین سفید کاغذ، کمپیوٹر کمپوزنگ مضبوط جلد، خوب صورت ٹائٹل**

قیمت: **۲۰۰/-روپے**

ناشر: **مرکزی دارالامارت، جماعت غرباء اہل الحدیث جامع مسجد محمدی محمد بن قاسم روڈ، کراچی**

تبصرہ نگار: **محمد سلیم چنیوٹی**

زیر تبصرہ کتاب مولانا عبدالوہاب صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اور اُن کے خاندان کے افراد کے حالات پر مشتمل ہے۔ مولانا عبدالوہاب دہلوی رحمہ اللہ کی پیدائش ضلع جھنگ کے علاقے واصو آستانہ میں ہوئی۔ وہ ایک عظیم محدث، مفسر اور مبلغ قرآن وسنت تھے۔ جس زمانے میں انہیں تبلیغی خدمات انجام دینے کا فریضہ سونپا گیا وہ بڑا کٹھن دور تھا۔

ان حالات میں جس انداز سے انہوں نے تبلیغ دین فرمائی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ تبلیغ کی خاطر انہوں نے اپنی جان کی پروا کیے بغیر اپنے بعض نقصان بھی برداشت کیے۔ آپ کی زبان وبیان میں اللہ کریم نے ایک تاثیر رکھی تھی۔ اس سے لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے تھے۔ مولانا عبدالوہاب دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے وقت کے معروف وجید علمائے کرام سے استفادہ کیا۔

زیر تبصرہ کتاب میں مولانا عبدالوہاب دہلوی رحمہ اللہ اور ان کے اہل علم وفضل بیٹوں اور پوتوں (جن کی تعداد چودہ ہے) کا بالتفصیل تذکرہ وسوانح ہمارے فاضل دوست جناب محمد رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ نے مرتب کر دیا ہے۔ یہ محنت طلب کام ایک طویل عرصے کے بعد خوانندگانِ محترم کی خدمت میں یکجا پیش ہو رہا ہے اور اس کتاب سے جماعت غرباء اہل حدیث پاکستان کی پوری تاریخ پڑھنے کو میسر آ گئی ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

جناب محمد رمضان یوسف سلفی صاحب کی یہ کتاب ماشاءاللہ تحریری طور پر روانی لیے ہوئے ہے۔ جس ترتیب سے خاندانِ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا دل نشین تذکرہ وسوانح بیان کیا ہے وہ لائق تحسین ہے۔

اس خاندان کے تمام افراد کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ سارے کے سارے قرآنِ کریم کے حافظ، مفسر اور مبلغ تھے۔ جن گرامی قدر علماء وفضلاء کا تذکرہ مرتب کیا گیا ہے ان کے نام یہ ہیں:

(۱) حضرت الامام حافظ عبدالوہاب دہلوی رحمہ اللہ، (۲) مولانا حافظ عبدالستار محدث دہلوی، (۳) مولانا حافظ عبدالواحد سلفی دہلوی، (۴) مولانا حافظ مفتی عبدالقہار دہلوی، (۵) مولانا حافظ عبدالغفار سلفی دہلوی، (۶) امام حافظ عبدالرحمٰن سلفی حفظہ اللہ، (۷) مولانا حافظ عبدالجبار سلفی، (۸) مولانا حافظ محمد سلفی، (۹) مولانا حافظ انس مدنی، (۱۰) مولانا حافظ عبدالماجد سلفی، (۱۱) مولانا حافظ مفتی محمد ادریس حفظہ اللہ، (۱۲) حافظ محمد الیاس سلفی، (۱۳) شیخ عبدالخالق دہلوی (سائیکل والے)، (۱۴) مولانا حافظ عبدالحئی دہلوی رحمہ اللہ۔

اس کتاب کا انتساب جماعت غرباء اہل حدیث کے موجودہ امام مولانا حافظ عبدالرحمٰن سلفی حفظہ اللہ کے نام لکھا گیا ہے۔ حرفے چند محترم مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحٰق بھٹی نے تحریر فرمائے ہیں۔ مولانا محمد ادریس ہاشمی اور ملک عبدالرشید عراقی کی تقاریظ اوّل صفحات کی زینت ہیں۔



تاثرات

اسلام جو باطل سے ہوا برسرِ پیکار
آثار کمالِ بشریت ہیں نمودار
زنداں و قفس اِس کو کہا جائے کہ گلزار
آزادیٔ افکار ، نہ آزادیٔ گفتار
دیتا ہے فقط حق کی گواہی جو سردار
دُنیا میں بھی سردار ہے ، عقبٰی میں بھی سردار
ہے جاں سے گراں مایہ ، متاعِ غم ایماں
ہے کون متاعِ غم ایماں کا خریدار
ہو جائے گا صد چاک نہ کیوں دامن ظلمات
ہر سمت اُبلتا ہے جو فوارۂ انوار
بندوں کی خدائی کا میں قائل ہی نہیں ہوں
تسلیم نہیں مجھ کو خداوندیٔ سرکار
کس طرح شبستاں میں ملے بار کہ مجھ کو
آتے نہیں آداب غلامانۂ دربار
سردر نہیں وہ جو نہیں قوم کا خادم
جو قوم کا خادم ہو وہی قوم کا سردار
ہے طرفہ تماشا کہ اندھیرے کے پجاری
کرتے ہیں حقیقت کی شعاعوں کو گرفتار
مقصود یہی تھا کہ بھڑاس ، اس کی نکل جائے
پھر بڑھ کے ستم گار نے اوچھا سا کیا وار
اللہ سے جن کو نہ رہا واسطہ کچھ بھی!
وہ کون ہیں میرے مجھے کیا اُن سے سروکار
ہونے کو ہے فرق حق و باطل ابھی ظاہر
فرعونیت عصر ! خبردار ، خبردار
تلوار کی چھاؤں میں بھی حماد کہے حق
اللہ بنائے اُسے اسلام کی تلوار

[ابوالبیان حماد]